انجینئرنگ یونیورسٹی کا تاریخی ماحول

(لاہور کے آثار قدیمہ کا ایک اہم باب)

از

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

استاد شعبہ فن تعمیر

انجینئرنگ یونیورسٹی
لاہور

*

۱۹۶۳

انجینئرنگ یونیورسٹی کا تاریخی ماحول

(لاہور کے آثار قدیمہ کا ایک اہم باب)

از

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

استاد شعبہ فن تعمیر

انجینئرنگ یونیورسٹی
لاہور

۱۹۶۳

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 012320
★ MAILSI ★

فہرست

آثار	صفحہ
۱- روضہ محترم نقشبندی -	۵
۲- بدھو کا آوا -	۶
۳- شوالہ آوا بدھو -	۷
۴- مقبرہ خان دوران نصرت جنگ -	۸
۵- جائے مزارات ابوالحسن تربتی - ان کا لڑکا ظفر خاں اور اہلیہ -	۹
۶- مقبرہ علی مردان خاں اور آپ کی والدہ -	۱۰
۷- گلابی باغ -	۱۳
۸- مقبرہ اندرون گلابی باغ -	۱۵
۹- بیگم پورہ کا تاریخی پس منظر -	۱۶
۱۰- مقبرہ شرف النساء -	۱۷
۱۱- مسجد نواب ذکریا خان -	۱۸
۱۲- دیگر مقابر بیگم پورہ -	۱۹
۱۳- روضہ حضرت ایشانؒ اور مسجد -	۲۰
تبصرہ فن تعمیر -	۲۱

تصاویر	صفحہ
۱- روضہ محترم نقشبندی	۵
۲- نشان بدھو کا آوا	۵
۳- مقبرہ خان دوران	۵
۴- مقبرہ علی مردان خاں	۹
۵- دروازہ مقبرہ علی مردان خاں	۹
۶- گلابی باغ	۱۳
۷- درمیانی کمان گلابی باغ	۱۳
۸- مقبر اندرون گلابی باغ	۱۵
۹- مقبرہ کا اندرونی حصہ	۱۵
۱۰- مقبرہ شرف النسأ	۱۹
۱۱- مسجد ذکریا خاں	۱۷
۱۲- کاشی کاری مسجد ذکریا خاں	۱۷
۱۳- روضہ حضرت ایشانؒ	۱۹
۱۴- پلین مقبرہ علی مردان خاں	۱۲
۱۵- پلین مقبرہ اندرون گلابی باغ	۱۶
۱۶- پلین مسجد ذکریا خاں	۱۸
۱۷- پلین روضہ حضرت ایشانؒ	۲۰

378.549
1 58 ع

کتاب خانہ سردار جھنڈیر
میلسی (پاکستان)
نمبر شمار : ....
کتاب نمبر : ....

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

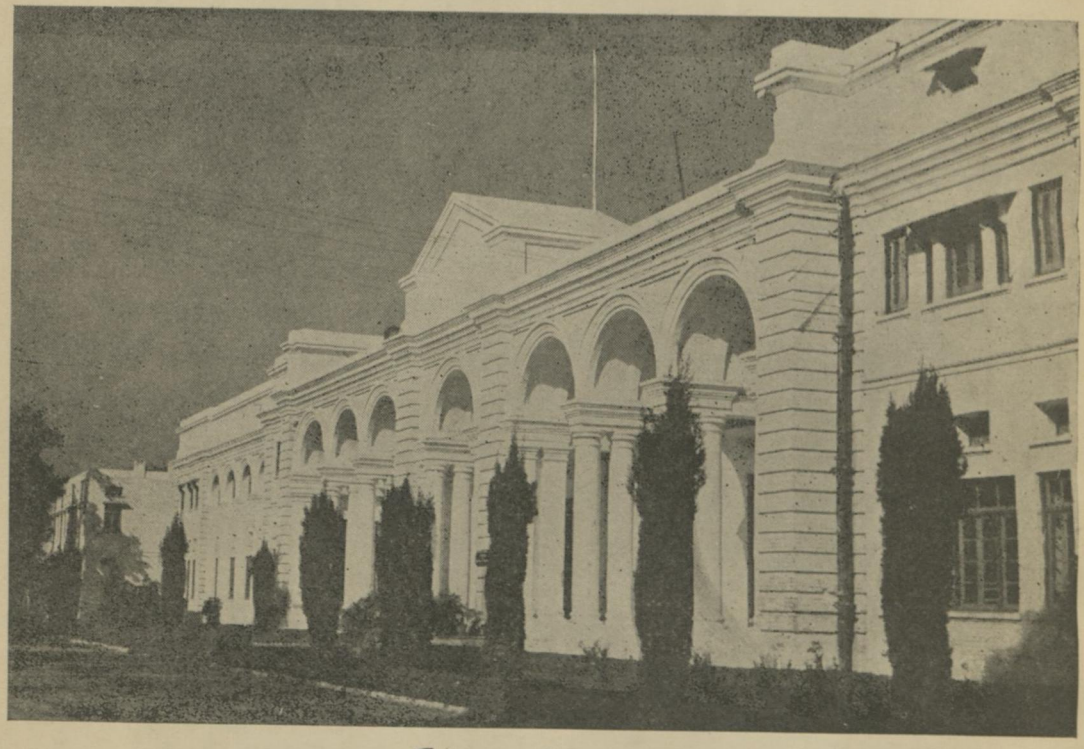

یونیورسٹی کا مین بلاک

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

انجینئرنگ یونیورسٹی کا تاریخی ماحول

۱۹۲۱ء میں برٹش گورنمنٹ نے پنجاب میں کسی انجینئرنگ کالج کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے رڑکی (بھارت) انجینئرنگ کالج کے معیار پر ایک انجینئرنگ کالج کے قیام کا فیصلہ کیا۔ اس وقت تک پنجاب کے طالب علم جو سول انجینر بننا چاہتے رڑکی مقابلہ میں داخلہ کے امتحان میں خاصی تعداد میں شامل ہوتے اور اچھے اچھے طلبا بوجہ قواعدہ جبکہ ایک مقررہ تعداد لی جاتی تھی تو محروم ہو جاتے۔ چنانچہ لاہور میں شالامار باغ کی سڑک اعظم پر ریلوے ورکشاپ کے قریب شمال کی طرف انجینرنگ کالج کی عمارت تیار ہوئی اور کالج کا اجراء ۱۹۲۳ء سے ہوا چونکہ اس وقت پنجاب کے گورنر سرایڈورڈ میکلیگن تھے اور اس تمام جائے وقوع کا وجود مغلپورہ میں شمار ہوتا تھا اسلئے اس کا نام ''میکلیگن انجینئرنگ کالج مغلپورہ۔لاہور،، رکھا گیا۔ مگر حسن اتفاق سے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے ظہور میں آنے کے بعد اس کا نام ,,گورنمنٹ کالج آف انجینئرنگ وٹیکنولوجی،، شمار ہوا اور اس میں بعض شعبے بھی اضافہ کئے گئے اسی سے بڑھکر یہی کالج ۱۹۶۱ء میں تمام مراحل طے کرنے کے بعد ویسٹ (مغربی) پاکستان میں ایک مرکزی فنی اور سائنسی جامعہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جسے ہم آج ''ویسٹ پاکستان یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنولوجی،، کے نام سے پکارتے ہیں۔

اس یونیورسٹی کی موجودہ عمارت میں پاکستان ظہور میں آنے کے بعد کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا مگر اتنا ضرور ہے کہ مغرب کیطرف لب سڑک اعظم پر جو عمارت قبل پاکستان سکھ نیشنل کالج کے نام سے تھی اسے بھی انیکسی کا نام دے کر شامل کر لیا گیا اور اس حصہ میں آج سول انجینئرنگ۔ آرکیٹیکچر۔ ٹون پلیننگ و کمسٹری کے شعبے ہیں اور اسی طرح ادھر مشرق کی طرف دوسرے مکینیکل۔ الیکٹریکل۔ مائننگ مع دفاتر جن میں وائس چانسلر و رجسٹرار۔ اور کھیلوں کے میدان وغیرہ شامل ہیں غرضیکہ یہ تمام عمارات جن کو عرف عام میں یونیورسٹی کا کمپس کہا جاتا ہے اس طرح پھیلا ہوا ہے مگر سنتے ہیں کہ یہ تمام کمپس عنقریب بہت زیادہ وسیع کیا جائیگا۔

حدود اربعہ

اتفاقاً اس یونیورسٹی کی عمارت کا جائے وقوع ابتدا سے ہی ایک تاریخی بستی میں ہوا جسے مغلپورہ کہتے تھے اس سے واضح ہے کہ اس رقبہ میں خاصی تاریخی عمارات واقعہ تھیں اور آج بھی کافی موجود ہیں جو اس یونیورسٹی کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں جن سے اسی یونیورسٹی کی تاریخی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے ۔ اور یہ تمام عہد مغلیہ سے تعلق رکھتی ہیں جنکو فرداً فرداً یہاں بیان کرنا مقصود ہے تاکہ ہمارے طلباء یونیورسٹی اس تاریخی ماحول سے محض واقفیت ہی نہ حاصل کریں بلکہ ان تاریخی یادگاروں سے فیضان حاصل کرتے رہیں ۔ کیونکہ ماحول کا اثر طبائع پر بہت ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر ان تاریخی عمارات کی تعمیری خوبیوں اور فنی حیثیت سے بھی مستفید ہوں جو خاص کر آرکی ٹیکچر کے طلباء کے لئے زیادہ مفید ہے ۔

چنانچہ ان عمارات کا مندرجہ ذیل مختصر سا بیان مطالعہ کرنے سے پیشتر قارین کرام کی خدمت اقدس میں عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بوقت مطالعہ موجودہ ماحول انجینئرنگ یونیورسٹی کو ایک قدیم بستی تصور کرنا چاہئے جو قریب چار پانچ صدیاں قبل موجود تھا ۔ کیونکہ یہ موجودہ عمارات بذات خود بھی ساڑے تین سو سال سے زاید قدیم ہیں اور اکثر قدیم آثار مرور ایام کے صدمات کی تاب نہ لا کر بالکل مٹ چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات تاریخ کے اوراق میں بھی ملتے ہوں ۔

بہرحال ہم یہاں ذیل میں سہولت مطالعہ اور مزید دلچسپی کے لئے نہ محض ان کے ضروری فوٹو پیش کرتے ہیں بلکہ اس ماحول کا نقشہ بھی پیش کرتے ہیں جس میں ان تاریخی آثاروں کی نشاں دھی کر دی گئی ہے تاکہ ان کے مطالعہ میں ان کا جائے وقوع پیش نظر رہے ۔

اور ہم ان کو مغرب سے شروع کرتے ہوئے جنوب مشرق شمال کی ترتیب سے یوں درج کرتے ہیں ۔

۱۔ روضہ محترم نقشبندی ۔

۲۔ بدھو کا آوا ۔

۳۔ شوالہ آوا بدھو ۔

۴۔ مقبرہ خان دوران نصرت جنگ ۔

۵۔ جائے مزارات ابوالحسن تربتی ۔ ان کا لڑکا ظفر خاں اور اھلیہ ۔

۶۔ مقبرہ علی مردان خاں اور آپ کی والدہ ۔

۷۔ گلابی باغ ۔

۸۔ مقبرہ اندرون گلابی باغ ۔

۹۔ بیگم پورہ کا تاریخی پس منظر ۔

۱۰۔ مقبرہ شرف النساء ۔

۱۱۔ مسجد نواب ذکریا خان ۔

۱۲۔ دیگر مقابر بیگم پورہ ۔

۱۳۔ روضہ حضرت ایشاںؒ اور مسجد ۔

تبصرہ فن تعمیر ۔

نقشہ ماحول

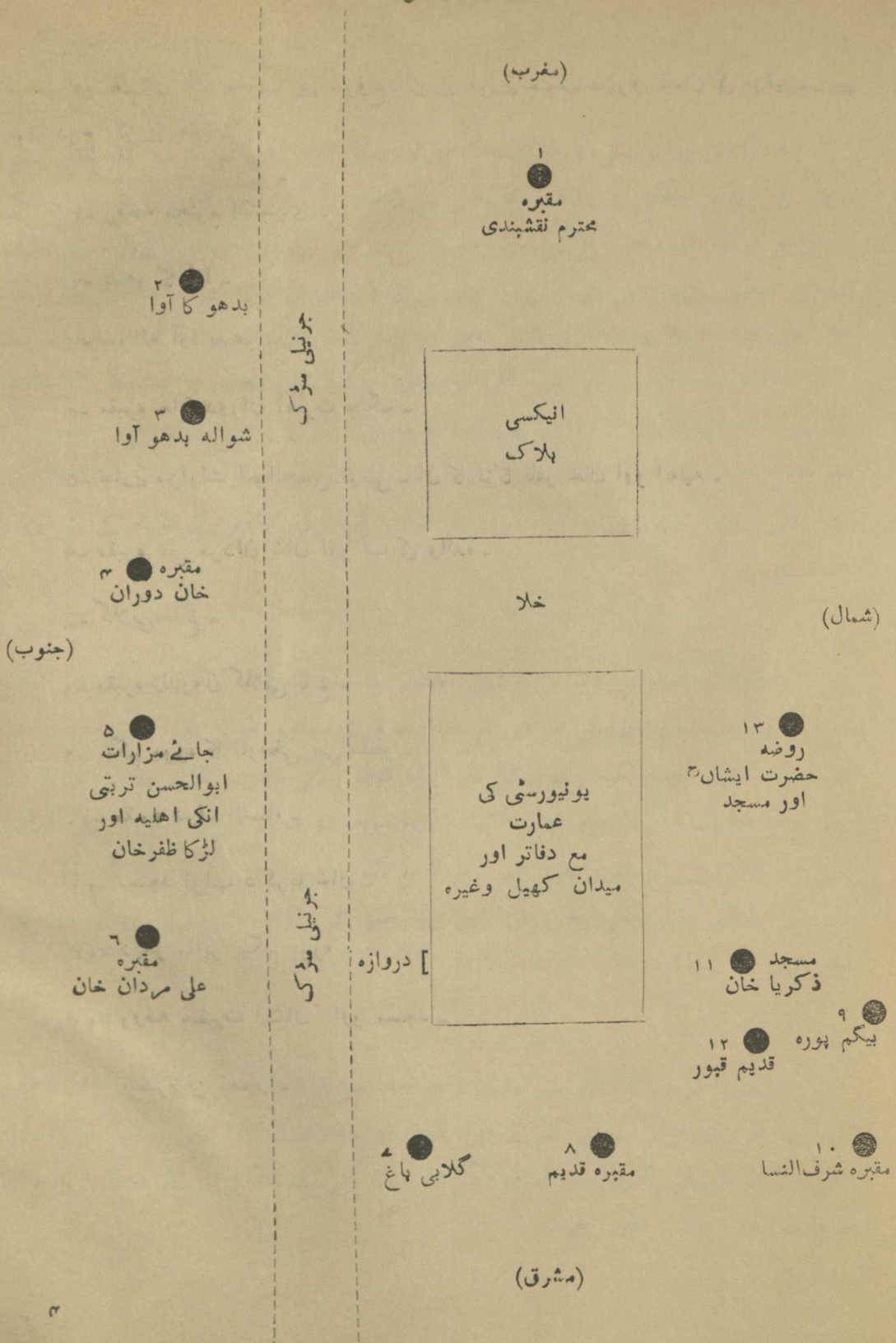
(مغرب)
۱
مقبرہ
محترم نقشبندی
۲
بدھو کا آوا
جرنیلی سڑک
۳
شوالہ بدھو آوا
انیکسی
بلاک
مقبرہ ۴
خان دوران
خلا
(شمال)
(جنوب)
۵
جائے مزارات
ابوالحسن تربتی
انکی اھلیہ اور
لڑکا ظفرخان
یونیورسٹی کی
عمارت
مع دفاتر اور
میدان کھیل وغیرہ
۱۳
روضہ
حضرت ایشاںؒ
اور مسجد
جرنیلی سڑک
۶
مقبرہ
علی مردان خان
] دروازہ
مسجد ۱۱
ذکریا خان
۹
بیگم پورہ
۱۲
قدیم قبور
۷
گلابی باغ
۸
مقبرہ قدیم
۱۰
مقبرہ شرف النسا
(مشرق)

ماخذ مضمون

یہ ضرور اقرار کرنا ہوگا کہ اس تاریخی مضمون کی تیاری میں بیشمار کتب و مشاہدات سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ اور ان کے حوالے بھی جہاں ضروری معلوم ہوئے دیدئے گئے ہیں چونکہ یہ مضمون محض لاہور کی تاریخ سے متعلق ہے ۔ اور حسن اتفاق سے مندرجہ ذیل تین کتب جو براہ راست لاہور کے متعلق ہیں اور وہ ہمیں میسر ہیں یہ گذشتہ صدی میں لکھی گئی تھیں اس لئے ان سے براہ راست مدد لی گئی ہے اور ان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے :۔

۱۔ تحقیقات چشتی ۔ مولفہ مولوی نور احمد چشتی
مطبوعہ لاہور ۱۸۶۷ء

۲۔ تاریخ لاہور ۔ مولفہ رائے بہادر لالہ کنہیا لال ۔
مطبوعہ لاہور ۱۸۸۴ء

۳۔ ہسٹری آف لاہور (انگریزی) مصنفہ
خان بہادر سید محمد لطیف مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

(۱) روضہ محترم نقشبندی

انجینئرنگ یونیورسٹی کے انیکسی بلاک کے عین مغرب کی طرف آسانی سے کھڑے کھڑے ایک قدیم شلغمی شکل کا کلس دار گنبد درختوں کے اندر کچھ فاصلہ پر نظر آئیگا جس کی ہم یہاں ایک تصویر بھی شائع کر رہے ہیں اور فوراً یقین آ جائیگا کہ یہ کوئی تاریخی عمارت ہے جسے مورخین لاہور نے ''روضہ محترم نقش بندی،، کے عنوان سے بیان کیا ہے ان بزرگ کا تذکرہ اکثر تصوف کی کتب میں ملتا ہے ۔ اور یہ زاھد ۔ متقی ۔ خدا پرست گذرے ہیں اور نقشبندی سلسلہ تصوف سے تعلق رکھتے تھے اکبر کے زمانہ میں لاہور میں مقیم تھے آپ نے کافی عمر پائی اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں ۱۱۰۲ھ میں انتقال کیا ۔ شکل (۱)

مورخین لاہور لکھتے ہیں کہ آپ کا روضہ شالامار سڑک کے شمال میں بدھو کے آوا کے مغرب میں واقع ہے جسے بطور ریلوے بیرک کے استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس کا شلغمی گنبد بناوٹ میں دھرا ہے اور چاروں طرف چار برجیاں ہیں اور آج بھی

اعلیٰ گلکاری کے نشان اندرون گنبد موجود ہیں اور فنی اعتبار سے یہ عمارت عہد اورنگ زیب کی معلوم ہوتی ہے اور اندرون گنبد علاوہ قبر شیخ محترم کے ان کے دو اور عزیزوں کی بھی قبریں ہیں اور چاروں طرف کماندار طاق ہیں گنبد کی بناوٹ مسقرنسی ہے اور دیواروں پر ذیل کے اشعار پڑھے جاتے ہیں ۔

هادی سالکاں راہ نجات ۔ آں سلیمان دل وخرد آصف
قطب حق شاہ محترم زجہاں ۔ رخت دربزم اولیائے سلف
سال تاریخ رحلتش جستم ۔ گفت طبع سلیم نیک حلف
پنج برچین زنخل وفق بگو ۔ قدس اللہ سرہ الا شرف

غرضیکہ یہ روضہ ایک مکمل نمونہ خشتی معماری کا ہے اور چاروں طرف باہر برآمدے بعد میں قائم کر دئے گئے ہیں جن سے یہ ایک جدید طرز بنگلہ کی سی ہو لئی ہے اور بطور رہائش استعمال ہوتا ہے ۔ ہماری پاکستان گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اس تاریخی عمارت کو جلد اپنی تحویل میں لے کر اسے آثار محفوظہ قرار دیدیا جائے اور کبھی یہ روضہ لاوارث ہونے کی وجہ سے نزول کے رجسٹر پر درج تھا ایک انگریز کی درخواست پر نیلام ہو گیا تھا جس نے اسے موجودہ صورت میں تبدیل کر دیا اور قبریں ضائع کردیں ۔

(۲) بدھو کا آوا

آج شالا مار کی جرنیلی سڑک کے جنوبی رخ پر یونیورسٹی کے قریب ایک نشان سا بصورت چھوٹا سا مینارہ ایک گول چبوترہ نما سا ملیگا ۔ جس پر انگریزی الفاظ میں لکھا ہے کہ یہ بطور یاد گار ''بدھو کا آوا،، قائم کیا گیا ہے جو کبھی اس مقام پر تھا ۔ یعنی اصل ''آوا،، بھی کبھی یہیں تھا ۔ راقم نے بھی اسے خوب دیکھا ہے بلکہ خوب یاد ہے اور اکژ بطور تفنن اس ٹیلے پر جانے کی کوشش بھی کی جو ایک خشک سا پہاڑ تھا جیسا کہ ہم آج لاہور میں شملہ پہاڑی دیکھتے ہیں بلکہ لاہور میں ''بدھو کا آوا،، پنجابی زبان میں کسی کو اس کے بڑے ہونے کی طنزاً تشبیہ دی جائے تو کہدیتے ہیں وہ تو ''بدھو کا آوا،، ہے ۔ یہ قدیم زمانہ میں اینٹوں کا بھٹہ تھا جسکا وجود شاھجہاں کے عہد سے بیان کیا جاتا ہے چونکہ اس کا مالک ایک شخص ''بدھو،، نامی تھا اس وجہ سے اس کی نسبت سے یہ ''بدھو کا آوا،، کے نام سے

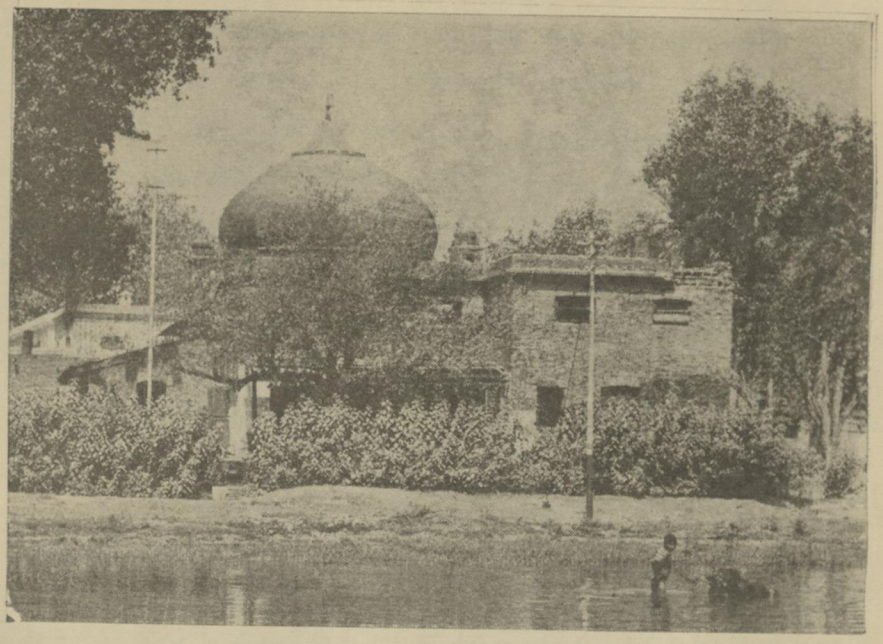

۱ روضۂ محترم نقشبندی

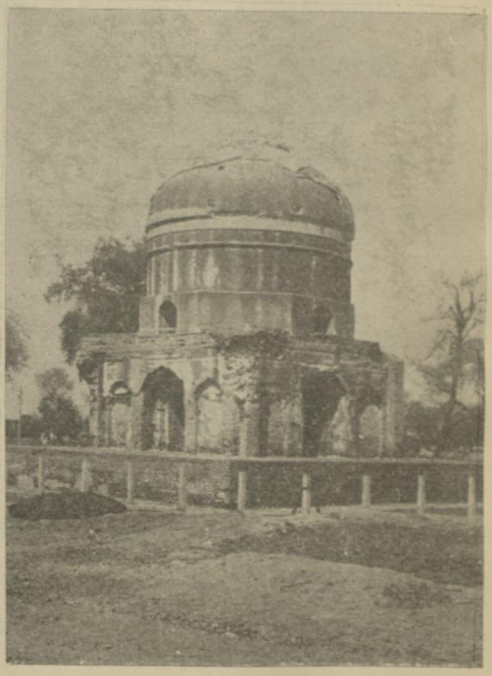

۲ مقبرہ خان دوران

۳ نشان بدھو کا اوا

مشہور ہو گیا تھا مگر رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اس کی چوٹی پر اس کے فوجی جرنیل ابوطابل فرانسیسی نے ایک عمدہ بنگلہ بنایا تھا جس میں وہ رہتا تھا اور رنجیت سنگھ کے بعد جب اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی ہوئی تو اس پر مہاراجہ شیر سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ نے یکے بعد دیگرے اس پر اپنی فوجیں لاہور کے محاصرہ کے لئے جمع کی تھیں اور اس وقت یہ بطور قلعہ کے فتح گڑھ کے نام سے مشہور تھا۔ ۱۹۱۹-۲۰ء میں اسے صاف کر دیا گیا اور ریلوے نے یہ تمام زمین برائے سٹور خرید لی اور اسکی یاد میں متذکرہ بالا نشان قائم کر دیا گیا۔ جس کی ہم یہاں ایک تصویر پیش کرتے ہیں (شکل ۲) مگر بعض وقت ''بدھو،، لفظ سے جو آوا کے مالک کا نام ہے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ٹیلا در اصل بدھ مت کا سٹوپا تھا جو مرورایام کی وجہ سے اور اسلامی دوردورہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گیا اور لفظ ''بدھ،، اس طرح باقی رہ گیا۔

(۳) شوالہ آوا بدھو والا

اس متذکرہ بالا بدھو کے آوے کے جنوب کی طرف کبھی ایک شوالہ بھی تھا۔ جس کی تفصیل لالہ کنہیا لال نے اپنی تاریخ میں دی ہے۔ یہاں شب چودھویں ماہ پھاگن کو بڑا میلہ ہوتا تھا اور لوگ پوجا کے لئے آتے تھے۔ اکبر کے عہد میں اس مندر کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ چار دیواری وسیع تھی جس کے اندر پختہ عمارت مغرب کی طرف ایک مندر کی تھی۔ جس کا ایک عالیشان دروازہ تھا جس کی تصدیق مفتی تاج الدین نے بھی لاہور کے حالات میں کی ہے۔ اور دروازہ ہمیشہ بند رہتا تھا کیونکہ اس طرف کی زمین ریلوے نے مبلغ پانچ سو روپیہ میں خرید کر لی تھی۔ اس کا وسیع صحن تھا اور چاروں طرف مکانات تھے۔ مندر چونہ گچ عمارت تھی اور گنبد سے مسقف تھا سنگ مرمر کا شوجی کا استھان تھا۔ اور پتھر کے بیل کے بت تھے اور پرانے مہنتوں کی سمادھیں بھی تھیں۔ ۱۸۸۲ء میں ہیرا ناتھ جوگی کئی پشتوں سے اس کا مہنت تھا۔ چودہ بیگہ زمین زرعی بھی ملحق تھی۔

غرضیکہ اس مندر کے وجود سے یہ کسی قدر پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام مقام ہندو مت کا استھان تھا اور ممکن ہے یہ تمام رقبہ جسے 'بدھو کا آوا، وغیرہ مشہور کیا گیا بدھ مت کا استھان ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

ایک اور امر کی طرف بھی اشارہ کرنا لازمی ہے کہ ریلوے اسٹیشن سے لیکر آخیر تک جہاں جہاں ریلوے کا کارخانہ اور دیگر شعبے بڑھتے گئے اور زمین کو اس میں شامل کرتے رہے پھر جو پرانی عمارت بھی اس کے احاطہ میں آئی اسے گرا دیا گیا۔ اسی طرح ہمارے بیشمار تاریخی آثار تباہ و برباد ہو گئے۔

(۴) گنبد خان دوراں نصرت جنگ

بدھو کے آوا کے نشان سے ذرا فاصلے پر مشرق کی طرف لب سڑک نہایت خوبصورت گنبد ایک مربع چبوترہ پر کھڑا ہے - جس پر لہریا طرز میں کاشی کاری میں نیلی اور سفید دھاریاں ہیں اگرچہ گنبد کا کاشی کار حصہ اوپر سے کافی ضائع ہو چکا ہے اور آج اس میں کسی دو قبروں کے نشان باقی ہیں - ویسے لوگ اور مورخین لاہور اس مقبرہ کو خان دوران نصرت جنگ کے نام سے پکارتے ہیں - جو شاہجہانی امرا میں ایک خاص امتیاز رکھتا تھا - جس وجہ سے اسے یہ القاب حاصل تھے - اگرچہ اس کا اصل نام خواجہ صابر پسر خواجہ حصاری نقشبندی تھا - جہانگیر کے زمانہ میں یہ دکن میں تعین تھا - اور وہاں صوبہ دار بھی رہا - آخر ۷ جمادی‌الاول ۱۰۵۵ھ میں اس کا انتقال (۱) ہوا اور ماثرالامرا کے بیان کے مطابق اس کا مدفن گوالیار میں ہے اور اس نے بہت عالیشان عمارات برہانپور میں بنوائیں - ان حالات میں ہم لاہور میں اس عمارت کو اس کی طرف فوراً منسوب کرنے سے تامل کرتے ہیں - بہر حال یہ ہمیشہ سے اسی نام سے منسوب ہے - جیسا کہ مورخین لاہور نے بھی درج کیا ہے -

اس کا گنبد بناوٹ میں دہرا اور خاصہ بلند ہے مگر چاروں طرف سے بند ہے اور محض چار روشندان قسم کے طاق ہیں جو اندر روشنی دیتے ہیں ویسے یہ عمارت بہت بڑی تھی اس کے برآمدے گرا دئے گئے ہیں - دراصل یہ اندر سے اسی طرح تھی جس طرح ہم یہاں مقبرہ اندرون گلابی باغ (۸) کا پلین شائع کر رہے ہیں - اس کے گنبد کی جہاں بلب نما گولائی شروع ہوتی ہے اور گردن ختم ہوتی ہے وہاں کاشی کاری میں بہت اعالی بسنتی و نیلے و سبز رنگ کے نقش ونگار ہیں جن سے اس کے تمام دیگر ضائع شدہ اعالی تمام نقش ونگار کا انداز ہو سکتا ہے - غرضیکہ یہ ایک بہترین نمونہ فن تعمیر تھا -

(۱) ماثرالامرا ص ۷۴۹ - ۷۵۸ / ۱ و عمل صالح ص ۲۳۵ / ۲ و ۴۳۳ / ۲

(۵) ابولحسن تربتی کے آثار

خواجہ ابوالحسن تربتی ایران سے اکبر کے عہد میں ۱۶۰۰ء میں یہاں آیا اور بطور دیوان دکن شہزادہ دانیال کے ہمراہ مقرر ہوا۔ فرائض منصبی کو نہایت عمدگی سے ادا کیا جہانگیر کے عہد میں آصف خان مرزا جعفر کا ۱۰۳۱ھ میں میر بخشی مقرر ہوا جب اعتمادالدولہ کا انتقال ہوا تو ابوالحسن اس کی جگہ دیوان کل کے منصب پر فائض ہوا۔ اس نے مہابت خاں کے ہنگامہ میں نہایت دلیری اور اولوالعزمی سے نور جہاں کی حمایت کی اور دریا جہلم میں ڈوبتا ہوا مشکل سے بچا۔ شاہجہاں کے عہد میں کافی معمر ہو چکا تھا ستر سال کی عمر میں ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی جبکہ وہ کشمیر میں تعین تھا اور اس کا نائب اس کا لڑکا ظفر خاں تھا بقول صاحب ماثرالا مرا جب اس کے لڑکے ظفر خاں کا انتقال ہوا تو وہ اپنے باپ ابوالحسن کے پہلو ہی لاہور میں دفن کیا گیا۔ غرضیکہ باپ بیٹا دونوں یہیں لاہور میں دفن ہوئے۔ اس طرح بقول مورخین لاہور جب اس کی بیوی کا انتقال ۱۰۶۶ھ میں یہاں ہوا تو اسے بھی یہیں ابوالحسن کے مقبرہ کے ساتھ ہی الگ مقبرہ میں دفن کیا گیا جسے اس بیوہ نے خود اپنی زندگی میں بنوایا تھا جو ابوالحسن کے مقبرہ کے مطابق تھا مگر اتنا بلند نہیں تھا کیونکہ اس نے احتراماً اسے ایسا کیا اس امر کی تصدیق لاہور کے مورخین نے کی ہے۔ اگرچہ ان عمارتوں کا آج لاہور میں پتہ لگانا قدرے مشکل امر ہے۔

مگر مورخین لاہور اس امر پر متفق ہیں کہ شالامار سڑک پر مقبرہ علی مردان خاں کے قریب شمال میں۔ جہاں بہت پرانا تالاب نما کنواں ہے جس پر بارہ راہٹ بآسانی چلتے تھے اور اس پر ایک کھڑکی تھی جسے بند کر دیا گیا تھا۔ جس کا تعلق زیر زمین تہ خانہ سے تھا اور کنواں جو ابوالحسن کے مقبرہ کے باغ میں تھا دراصل اس سے ملا ہوا تھا۔ مخدومہ بیگم زوجہ ابوالحسن کا گنبد جسے عرصہ ہوا گرا دیا گیا وہ اس کے قریب تھا اور یہ کاشی کار اینٹوں سے مزین تھا۔ خلاصۃالتواریخ کے بیان کے مطابق مخدومہ بیگم ایک عالمہ اور فاضلہ عورت تھی بلکہ طبعاً شاعرہ تھی اور اس کا نہایت شاندار مقبرہ تھا جو اسی لاکھ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوا تھا اور بعہد راجہ شیر سنگھ یہ بجلی گرنے سے تباہ ہو گیا اور جو کچھ باقی رہا اسے بوجہ ضرورت اینٹوں کے بالکل صاف کر دیا گیا اس مخدومہ بیگم کے مقبرہ میں ہمیشہ حفاظ قرآن خوانی کرتے رہتے تھے بلکہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے

کہ حامد قاریؒ جنکا مزار علی مردان کے مقبرہ کے بالکل قریب ہے ان کے ہاتھ قرآن خوانی کا انتظام تھا ۔

مگر ۱۸۸۲ ء میں لالہ کنہیا لال بیان کرتا ہے کہ یہ مقبرہ مخدومہ بیگم زوجہ ابوالحسن خان لاہور سے اڑھائی میل بجانب مشرق موجود ہے ۔ اور مرحومہ نے خود اسے اسی لاکھ روپیہ کی لاگت سے تعمیر کروایا تھا ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں اس کے جرنیل ابواطابل نے اس میں میگزین بھروا دی تھی ۔ جو بہت برسوں تک اس میں رہا اس پر بجلی گرنے سے اسے آگ لگ گئی تو یہ سنگین عمارت پاش پاش ہو گئی مگر نصف عمارت جو باقی رہی تھی اسے صاحب نزول نے نیلام کر دیا اور خشت فروشوں نے اس کی بنیادوں تک کے نشان صاف کر دئے ۔

چشتی نور احمد اپنی کتاب تحقیقات چشتی میں ۱۸۶۳ء میں لکھتا ہے کہ یہ مقبرہ مربع چبوترہ پر موجود ہے مگر اس نے ابوالحسن ترہتی اور آصف خاں یمین الدولہ کو ایک ہی شخص تصور کر لیا ہے ۔

حسن اتفاق سے ان تمام عمارات کے نشان جو دراصل ابوالحسن ترہتی اور اس کی بیوی مخدومہ بیگم کے مقبروں سے متعلق ہیں ۔ اب بھی اسی جرنیلی سڑک کے جنوب میں یونیورسٹی کے سامنے حبیب بینک کے پیچھے سے ریلوے سٹور کی دیوار کے ساتھ ساتھ مشرق جنوب کی طرف جاتے ہوئے دو فرلانگ پر یونیورسٹی ورکشاپ کے ساتھ بصورت قبور ماینگے جن میں قدیم شاہجہانی عہد کی اینٹیں آج بھی موجود ہیں اور ساتھ ہی بہت بڑا تالاب بھی یونیورسٹی ورکشاپ کے ساتھ موجود ہے جو در اصل بڑا کنواں تھا ۔ جس پر بارہ راہٹ لگے ہوئے تھے ۔ غرضیکہ یہ ان قدیم آثاروں کی باقیات ہیں جن کو سکھوں کے عہد میں تباہ کر دیا گیا ۔

(٦) مقبرہ علی مردان خان

جب ہم انجینئرنگ یونیورسٹی کے بڑے دروازہ سے باہر سڑک اعظم پر آ رہے ہوتے ہیں ۔ تو جنوب کی طرف سیدھی ہماری نظر ایک عظیم الشان گنبد پر پڑتی ہے جو ریلوے سٹور کی دیوار کے اندر گھرا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر اس کا مشاہدہ کرنے کیلئے ہمیں یہاں سے قریب ایک میل گلابی چوکی سے سیدھا جنوب کیطرف سیدھی سڑک پر ریلوے دیوار کے ساتھ ساتھ جانا پڑتا ہے ۔ اور آج یہ مقبرہ علی مردان خان کہلاتا ہے ۔

۴- مقبره علی مردان خان

۵- دروازه مقبره علی مردان خان

صاحب مقبرہ امیرالامرا علی مردان خان ایک عالی مرتبت شخص تھا جو ہندوستان میں آنے سے پیشتر حکومت ایران کی طرف سے والی قندھار تھا اور مغل شاہنشاہ شاہجہاں کی خواہش پر قندھار اس کے حوالے کر کے خود اس کے دربار میں آ کر شامل ہو گیا تھا۔ شاہ جہاں نے اسے ۱۰۴۸ھ میں آتے ہی کشمیر اور لاہور کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور لاہور میں اسے رہائش کیلئے اعتمادالدولہ کی حویلی عنایت کی۔

چونکہ یہ شخص فطرتاً انجینئر تھا اسلئے اس نے آتے ہی شاہجہان کی خدمت میں ایک تجویز پیش کی کہ میں اپنے ایک ماہر ہمراہی کی مدد سے کانگڑہ کے پہاڑوں سے دریا راوی سے کاٹ کر ایک نہر لا سکتا ہوں مگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے فوراً ایک لاکھ روپیہ عطا ہونا چاہیے جو دیا گیا اور ابتدا میں یہ تجویز اس لئے ناکامیاب ہوئی کہ لیول (ہموار زمین) کا خیال نہیں رکھا گیا مگر پھر ایک اور ماہر ہائدرولک ملا علاءالملک تونی کی مدد سے نہر بنائی گئی یعنی لاہور میں جو نہر اس وقت موجود ہے وہ اس زمانہ کی ہے اور اس ماہر انہار کا کارنامہ ہے اور اس کے بعد اس نے دھلی کی نہر جو عہد تغلق سے بے کار پڑی تھی اسے پوری طرح احیا کیا اور چاندنی چوک تک نہر لے آیا غرضیکہ مغلوں کے عہد کا تمام نظام انہار اسی شخص کا مرھون منت ہے مگر اس کے علاوہ اس نے بے شمار عمارتیں لاہور کشمیر۔ دھلی اور پشاور وغیرہ میں بنوائیں جن کا بیان بذات خود ایک طویل مضمون کا محتاج ہے۔ اور بعض لکھنے والوں نے اس کے فنی کارناموں سے متاثر ہو کر یہاں تک مبالغہ کیا کہ تاج محل کا معمار بھی یہی غالباً تھا حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ یہ ہندوستان میں تاج کی عمارت کے قریب ختم ہونے پر آیا تھا۔ بہر حال اسے اس کے کارناموں کی وجہ سے انجینیران چیف یعنی مہندس اعلیٰ کہنا بجا ہو گا۔ اور اس کی رہائش زیادہ تر مع اپنے خاندان کے لاہور میں رہی شاہجہان نے اسے جاگیر میں قصبہ سودھرہ نزد وزیرآباد عطا کیا جسے اس نے اپنے بڑے لڑکے کے نام ''ابراھیم آباد،، پر از سر نو آباد کیا جہاں اس نے لاہور کے شالامار باغ کے نقشہ پر ایک باغ بنایا افسوس اب اس کا نشان تک نہیں ہے۔

لاہور میں جب اس کی ماں کا انتقال ہوا تو اس نے اسے یہیں دفن کیا اور اس کی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا (شکل ۴) یعنی جو آج ہم اپنی یونیورسٹی کے گیٹ میں کھڑے ہو کر جنوب کیطرف دیکھ رہے ہیں وہ دراصل یہی مقبرہ اس کی ماں کا ہے کیونکہ جب خود اس کا انتقال یہاں ۱۰۶۶ھ میں ہوا تو اسے اسی

بڑے عالیشان مقبرہ میں اس کی ماں کے پہلو میں دفن کیا گیا اور آج حسن اتفاق سے اس کے نام پر مشہور ہے۔

جب ہم مقبرہ کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ ہشت پہلو بلند چبوترہ پر کھڑا ہے اور اس تمام عمارت میں یہی مثمن سطح کا ماحول نیچے سے اوپر تک برابر قائم رکھا گیا ہے (پلین ملاحظہ ہو) اگرچہ سکھوں نے اپنے زمانہ میں اس عالی شان مقبرہ کو بہت نقصان پہنچایا اس کا تمام سنگ مر مر اکھاڑ لیا۔ قبروں کے تعویذ برباد کر دئے۔ اور یہ تباہی موجودہ حالت سے بھی عیاں ہے اور البتہ اس کی تمام عظمت اس کے بلند تر گنبد سے زیادہ واضح ہے جو میرے خیال میں بادشاہی مسجد لاہور کے گنبد سے کم نہیں ہے۔ اس مقبرہ میں زیر زمیں ایک تہ خانہ ہے۔ اس میں اصل قبور ہیں۔ چونکہ شاہی خاندان کی زنانہ قبور ہمیشہ زیر زمین سردابہ میں ہوتی تھیں۔ جیسا کہ اس میں ہے۔ اور یہ تہ‌خانہ فن تعمیر کی ایک خاص حیثیت رکھتا ہے جو علیمردان خان نے خاص کر اپنی والدہ کے لیے تعمیر کیا تھا اور اسی طرح سردابہ ہمیں لاہور میں نورجہاں کے مقبرہ اور آگرہ میں تاج محل میں ممتازمحل میں بھی ملیگا۔ اس کے ہشت پہلو چبوترہ چار تالاب ہیں۔

لاہور میں جہاں یہ مقبرہ اس وقت موجود ہے ابتدائی زمانہ میں یہ حصہ چنت گڑھ کے نام سے مشہور تھا اور یہ مقبرہ ایک باغ میں تھا اس کے علاوہ اس کے چاروں طرف نہایت اعلیٰ دروازے تھے۔ جن میں سے محض ایک دروازہ شمال کی طرف باقی ہے اور وہ بھی ہمیشہ بند رہتا ہے۔ (شکل ۵) کیونکہ وہ حصہ ریلوے کے قبضہ میں ہے۔ ویسے یہ دروازہ بذات خود ایک عالیشان عمارت ہے اور کاشی کاری کے اعلیٰ نمونوں سے مزین ہے۔ اور کوئی اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتا — میرے خیال میں لاہور میں قریب قریب تمام شاہجہانی عہد کی عمارات کاشی کاری سے مزین ہیں مگر اس دروازہ کی عمارت ان میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہے جس میں علی مردان خاں کے ذاتی ایرانی ذوق کو بہت دخل ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شالامار باغ علی مردان خاں کا بنایا ہوا ہے جو غلط ہے کیونکہ یہ باغ ۱۰۴۷ھ میں تعمیر ہو چکا تھا البتہ اس میں جو نہر کی شاخ لائی گئی تھی اس میں اسے دخل ضرور ہے۔ اس مقبرہ کے اوپر جا کر اس کے درمیان میں غلام گردش ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہے پھر جب ہم اوپر جاتے ہیں تو اس کے پر شکوہ گنبد کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے تب اس کی حیقیت واضح ہوتی ہے

PLAN OF TOMB

ALI MARDAN KHAN

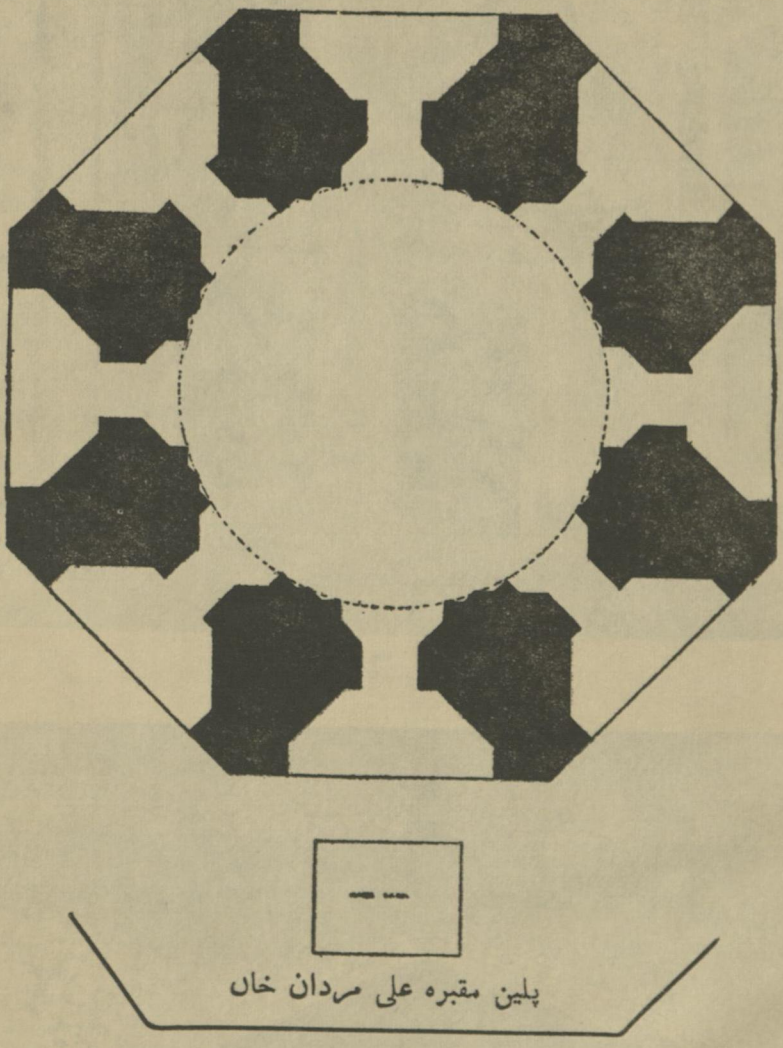

پلین مقبره علی مردان خاں

By—
Chaghatai—Elahi—Jamshed—Sattar

PLAN OF TOMB
ALI MARDAN KHAN

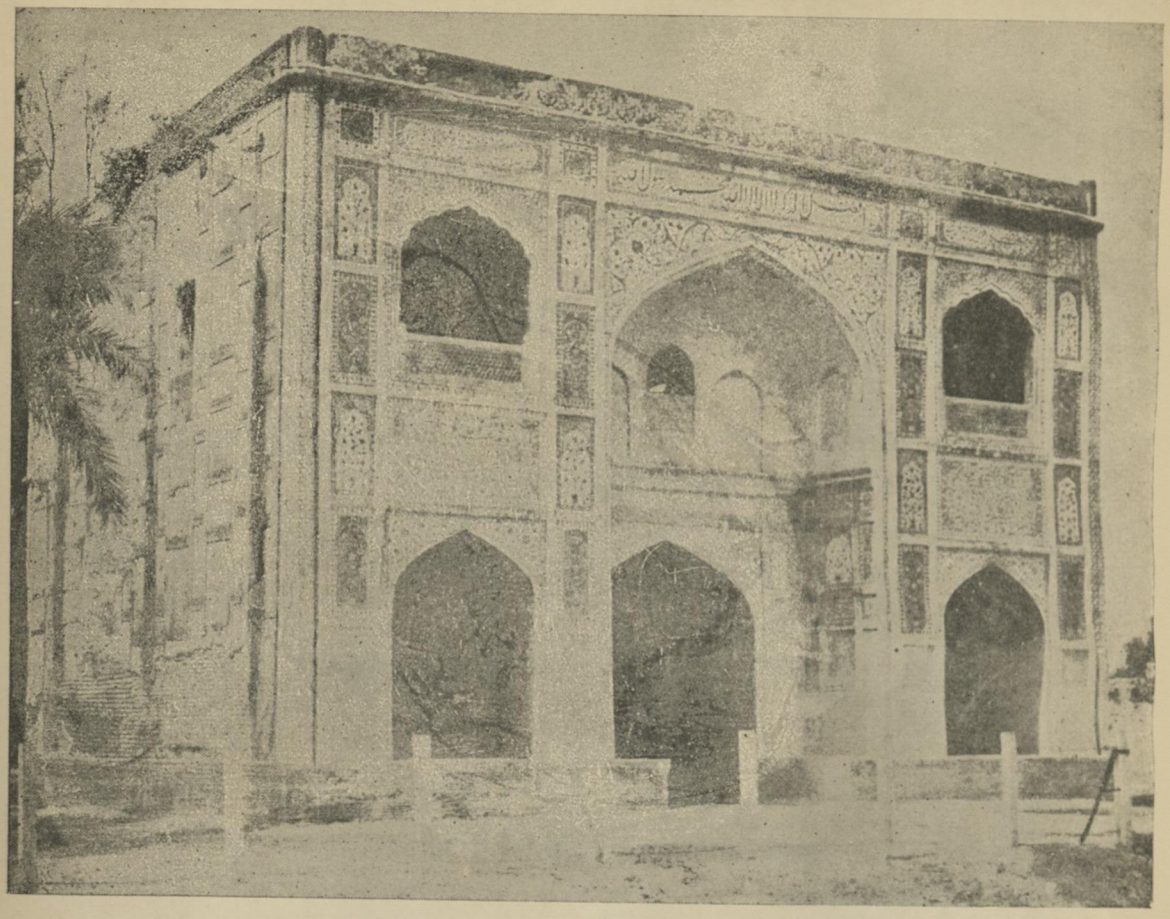

٦ - گلابی باغ

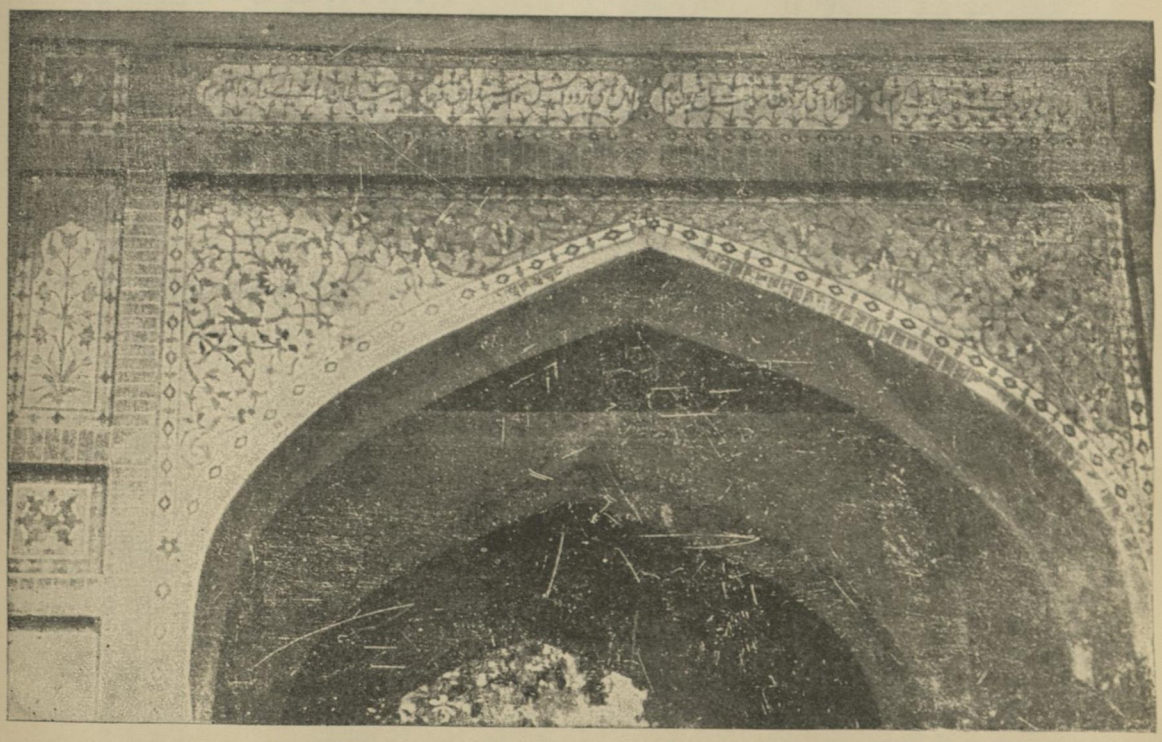

٧ - گلابی باغ کی درمیانی کمان جس پر کتبہ میں بانی باغ کا نام ہے

کہ یہ گنبد کس قدر عالیشان ہے ۔ اندر سے دہرا اور اس کے کونوں پر نہایت اعلیٰ موزوں آٹھ برجیاں ہیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ واضح کر دیا جائے کہ اس مقبرہ کا سطحی نقشہ بہت سے حالات میں آصف خاں کے مقبرہ واقع شاہدرہ سے ملتا ہے اور یہ تصور کہ آصف خاں کے مقبرہ کا نقشہ علی مردان خاں نے بنایا تھا بعید از قیاس نہیں ہے جو ۱۰۵۱ھ میں اس کی موجودگی میں تعمیر ہوا ۔

(۷) گلابی باغ

لب سڑک مشرق کیطرف یونیورسٹی کے دروازہ سے قریب سوگز کے فاصلہ پر جہاں یونیورسٹی کی حدود ختم ہوتی ہیں وہاں ایک شاہی باغ کا شاندار دروازہ ملتا ہے جو اپنی دلکش رنگارنگ کی کاشی کاری کی وجہ سے ایک مرتبہ تو رہگذر کو اپنی طرف متوجہ ضرور کر لیتا ہے اور یہ عام طور پر گلابی باغ کے نام سے مشہور ہے اور یہی اس کا اصل نام بھی ہے جو اس پر لکھا بھی ہے کہ ۱۰۶۶ھ میں تعمیر ہوا (شکل ۶) ۔

یہ عمارت عہد مغلیہ کی دیگر عمارات کی طرح جو خاص کر دروازے یا ڈیوڑھیاں کہلاتی ہیں ایک خاص شان رکھتی ہے کیونکہ ان شاہی عمارات کا حسن اور شاہی وقار بدرجہ اتم اس خصوصیت سے واضح ہے یعنی اس کا نصف گنبدی دہرا دروازہ پھر درمیان میں مربع گنبد دار مستقل عمارت ہے جس میں دفتر وغیرہ عمل کرتا تھا ۔ اور یہی خصوصیت ہم متذکرہ بالا علی مردان خاں کے مقبرہ کے دروازہ میں موجود پاتے ہیں بلکہ ہر شاہی عمارت اسی نہج پر ہے اور ماتھے پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ ویسے یہ عمارت اپنی بلندی میں درمیان میں پورا ایک مکان رکھتی ہے جسے ہم سیڑھیوں سے اوپر جاکر مشاہدہ کر سکتے ہیں اسی طرح لاہور میں چوبرجی کی عمارت بھی اسی طریق پر ہے فرق صرف یہ ہے کہ چوبرجی اس سے بڑی ہے اور چاروں کونوں پر مینار بھی ہیں اور ذرا آگے ملتان روڈ پر جائیں تو نواں کوٹ میں جو مقبرہ ہے اس کا دروازہ بھی اسی ڈیزائین پر ہے ۔ اس گلابی باغ کے دروازہ کی پیشانی پر درمیان میں کلمہ طیبہ :—

”افضل الذکر لا الہ الاللہ محمد رسول اللہ،،

اور اس کلمہ طیبہ کے دائیں بائیں ماتھے پر مشہور شعر تحریر ہے ۔

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا است ۔ کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراو

اس دروازہ کے ماتھے کی درمیانی بڑی کمان کی چوکھٹ پر مقطع صورت میں یہ اشعار تحریر ہیں ۔ (شکل ۷)

بانی باغ سخاوت فاتح باب کرم ۔ آن کہ دارائے گردوں ساخت باغ چوں ارم
اہل معنی بردوامش خواستندازحق دعا ۔ بیگ سلطان را الہی دار دائم محترم

اور تاریخی رباعی دو اشعار میں الگ الگ ماتھے کے دائیں بائیں درمیانی چوکھٹوں میں یوں درج ہے :۔

دائیں طرف

خوش آں باغ کہ داردلالہ داغش
گل خورشید و مہ زیبد چرا غش

بائیں طرف

زتقویم خرد پرسید غازی
گلابی باغ شد تاریخ با غش
۱۰۶۶

ان متذکرہ بالا اشعار سے امور مندرجہ ذیل اخذ ہوتے ہیں :۔

۱۔ اس باغ کا بانی کوئی صاحب ''بیگ سلطان یا سلطان بیگ،، ہے

۲۔ اس باغ کا نام تاریخی بنا کی حیثیت سے ''گلابی باغ،، ہے جو ۱۰۶۶ھ میں تعمیر ہوا

۳۔ ان اشعار کو کسی شاعر نے جسکا تخلص ''غازی،، ہے کہا ہے ۔

چنانچہ مورخین لاہور نے لکھا ہے کہ ''بانی باغ میرزا سلطان بیگ،، میرزا غیاث الدین ایرانی کا چچا زاد بھائی تھا اور سلطان بیگم دختر شاہجہان کا شوہر تھا میرزا ہندوستان میں ۱۰۵۹ء میں آیا اور وہ امیرالبحر تھا اس نے اس مقام پر یہ باغ تعمیر کیا ۔ ''مگر شاہجہان کے عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو شاہجہان کی اس نام کی کوئی لڑکی تھی اور نہ کسی لڑکی کی شادی اس طرح ہوئی ۔ ویسے جب ہم اس نام کی عہد شاہجہانی میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ایک امیر کبیر ''میرزا سلطان صفوی،، کا بیان ملتا ہے جو برادر خورد میرزا نوذر قندھاری تھا اور میرزا مظفر صفوی کا نبیرہ تھا اور نواب اسلام خاں مشہدی کا داماد

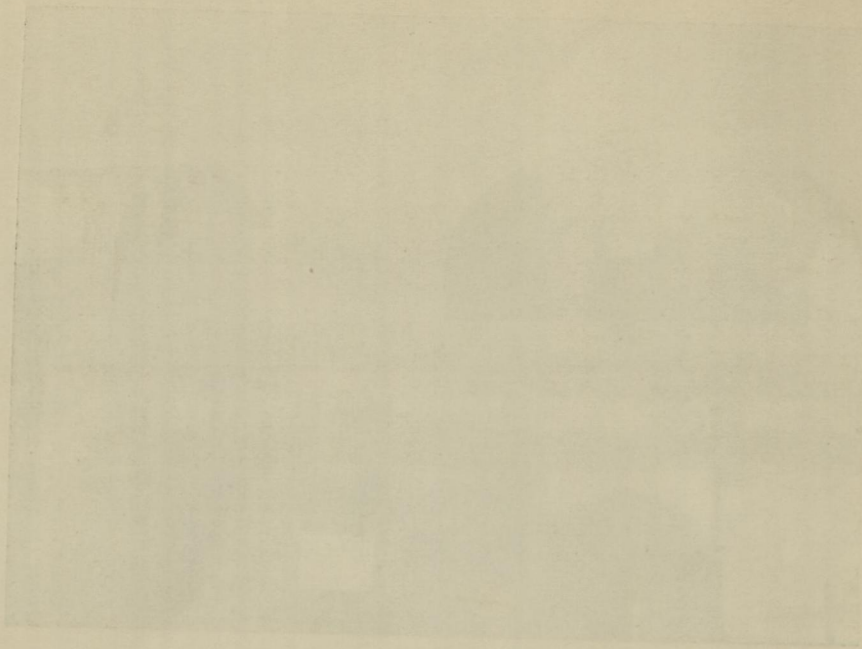

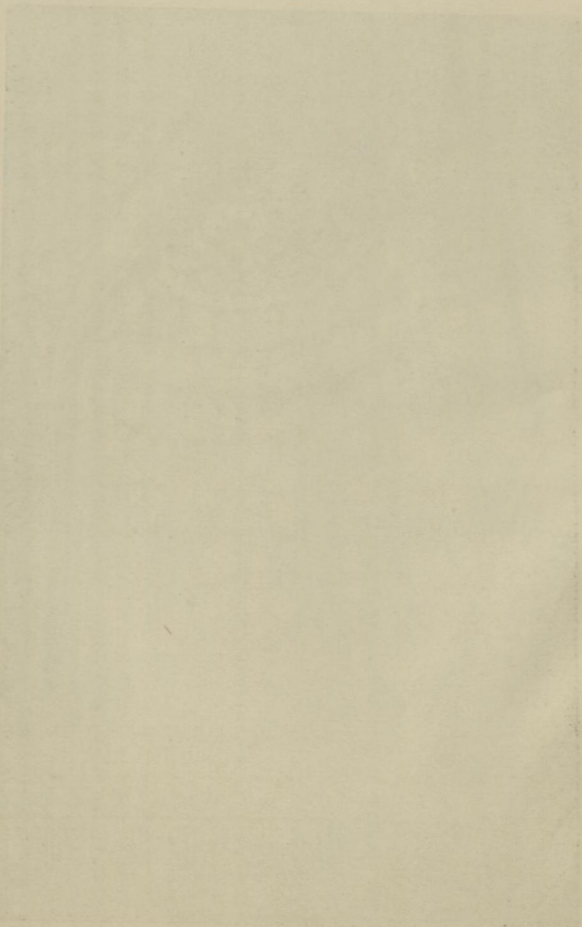

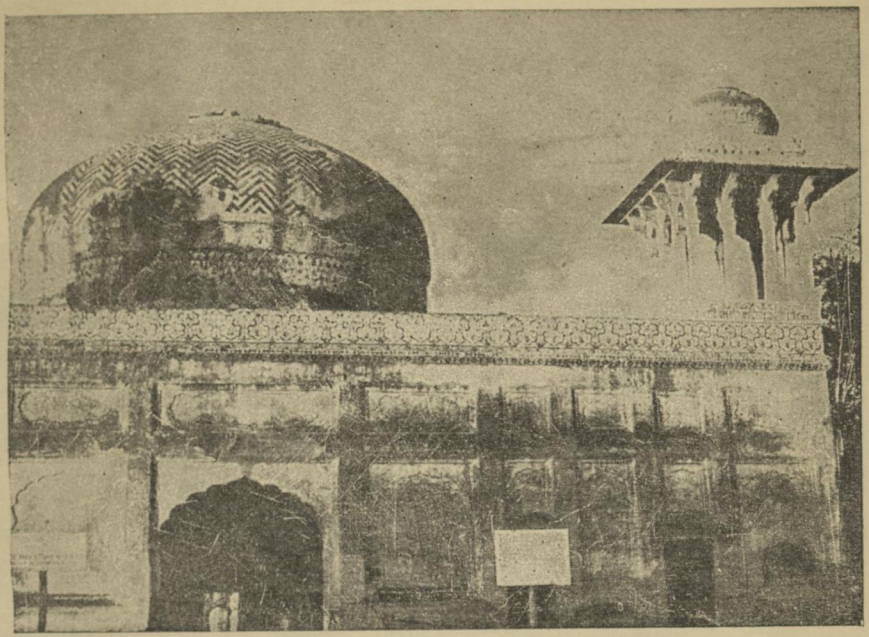

۸ - مقبرہ اندرون گلابی باغ

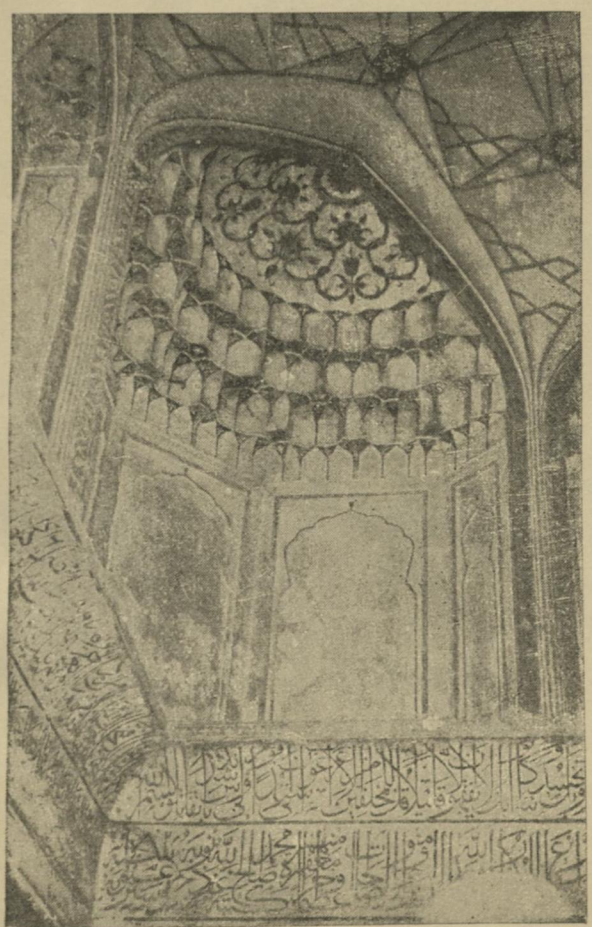

۹ - مقبرہ کا اندرونی کونہ جہاں سورۃ ختم ہوتی ہے

تھا اور یہ زیادہ تر دکن میں رہا اور اسلام خان کا تعلق زیادہ کشمیر سے تھا عہد شاھجہان میں یہ منصب سہ ھزاری ھزار و پانصد سوار پر فائض تھا بقول مصنف ماثر الا مراء بعہد اورنگ زیب اسکے منصب میں مزید اضافہ ھوا ۔ سال نہم عہد اورنگ زیب میں جب شاہ عباس کی کابل پر آمد کی اطلاع ھوئی اور یہ شاھزادہ محمد معظم کے ھمراہ ابھی لاھور میں تھا تو ان کا انتقال ھو گیا اور اس کا مقبرہ بیرون اورنگ آباد بیان کیا جاتا ھے ۔

شاعر غازی کے متعلق عرض ھے کہ صاحب تذکرہ شمع النجمن نے ''غازی،، کے تحت یوں لکھا ھے :۔

''میر غازی لاھوری وطنش بھیرہ از اعمال لاھور است

واز تلامذہ محمد زمان راسخ سرھندی بود،،

یعنی یہ شاعر یہیں لاھور میں اس وقت موجود تھا ۔

لاھور میں اگر ذرا غور سے ان آثاروں کا مطالعہ کیا جائے تو عجیب و غریب نکات پیش آئیں گے بالخصوص اس گلابی باغ کی عمارت کا رخ اگر مغرب کی طرف ھوتا تو اسے فوراً مسجد تصور کیا جاتا کیونکہ آج اس پر جو کتبات اس کے مندیر کے قریب ھیں وہ اکثر مساجد پر ھوتے ھیں پھر ان اشعار سے مفہوم ظاھر ھوتا ھے کہ یہ عمارت تاریخی نام کے اعتبار سے ایک باغ ھے جسکا نام گلابی باغ ھے مگر ۔ بطور سخاوت جاریہ کے تعمیر کیا گیا ھے ۔ تمام عوام اس سے بہرہ اندوز ھوں اور یہ امور محض اس عمارت کے کتبات سے واضح ھیں ۔

(۸) مقبرہ اندرون گلابی باغ

اس مذکورہ بالا گلابی باغ سے گزر کر سیدھے شمال کی طرف قریب ایک سو فٹ کے فاصلہ پر احاطہ میں ایک مکعب عمارت مقبرہ دیکھتے ھیں جو تمام باھر سے کاشی کاری سے مزین ھے (شکل ۸) اور مشاھدہ کرنے والا اس کے درمیانی گنبد اور کونوں پر خوبصورت برجیاں ایک خاص منظومیت فن تعمیر پیش کرتے ھوئے دیکھتا ھے۔ اور مورخین لاھور نے متفق طور پر اسے مقبرہ دائی انگاہ بیان کیا ھے ۔ جو ان کے نزدیک شاھجہان کی دایہ تھی مگر اس کا کہیں کسی تاریخی شہادت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ اسکے اندر جب جاتے ھیں تو اس کے کونوں میں چار مثمن سطح کے کمرے دیکھتے ھیں اور درمیانی

بڑے مربع کمرہ کے آگے چاروں طرف مثمن نما برآمدے ہیں (پلین مقبرہ ملا حظہ ہو) مگر گنبد جو اس عمارت کی بلندی پر نہایت موزوں ہے بناوٹ میں دھرائے جو قطری کمانوں پر کھڑا ہے اور قطری کمانیں نہایت اعلے طریق سے قالب کاری سے مزین ہیں (شکل ۹) ۔ جہاں اندروں کمرہ دیوار گنبد کے لئے قطری کمانیں شروع ہوتی ہیں وہاں کانس نما حاشیہ چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اور اسپر سورہ انافتحنا اعلیٰ خط نسخ میں پوری لکھی ہے ۔ اور اس کا خاتمہ شمال مغربی کونہ میں ہوتا ہے جہاں کاتب نے اپنا نام و تاریخ یوں لکھا ہے ۔

"کاتبہ محمد صالح عفراللہ ذنوبنہ وستر عیوبہ ۱۰۸۲ھ"

جن سے اس عمارت کی تاریخی حیثیت واضح ہوجاتی ہے اور ایک موزوں مربع چبوترہ پر قائم ہے مگر یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ یہ مقبرہ کس کا ہے جبکہ ہمارے پاس کوئی خاص شہادت بھی نہیں ہے ۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ مقبرہ دراصل بانی گلابی باغ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ یہاں موقع تدفین اسی کا ہو سکتا تھا جسکا تعلق گلابی باغ سے تھا ویسے تعمیری خصوصیت کے اعتبار سے بھی یہ مقبرہ مردانہ ہے کیونکہ اس زمانہ میں جتنے بھی زنانہ مقبرے تعمیر ہوئے ان میں تہ خانے تھے ۔ جیسا کہ نور جہاں وغیرہ کے مقبرہ میں ہے اور محمد صالح کاتب اس عہد میں خاص حیثیت رکھتا تھا ۔

(۹) بیگم پورہ

متذکرہ بالا مقبرہ اندرون گلابی باغ بیان کرنے کے بعد جب ہم جنوب کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ایک الگ بستی پاتے ہیں جہاں کچھ قدیم آثار بصورت کھنڈرات ابھی موجود ہیں ۔ جسے بیگم پورہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ یہ موضع باغبانپورہ بھوگی وال کے مغرب میں ہماری انجینئرنگ یونیورسٹی کے شمال مشرق میں ہے ۔ اسے دراصل گورنر پنجاب نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ متوفی ۱۷۲۷ء نے اپنی بیوی بیگم جاں کے نام پر بیگم پورہ کے نام سے آباد کیا تھا ۔ جو اس کے لڑکے نواب ذکریا خاں بہادر کی والدہ تھی ۔ بقول مفتی تاج الدین اس کی چار دیواری پختہ بنوائی تھی چپ وراست میں اس کے لواحق واقارب وزریات نے مکانات سکنی تعمیر کروائے جن دنوں نواب خان بہادر صوبہ دار لاہور تھا سب بستیوں سے اس بستی میں بہت زیادہ رونق اور دولت تھی ۔ نخاس سے بیگم پورہ تک ایک بازار تھا جس میں لاکھ پتی

PLAN OF TOMB

INSIDE GULABI BAGH LAHORE

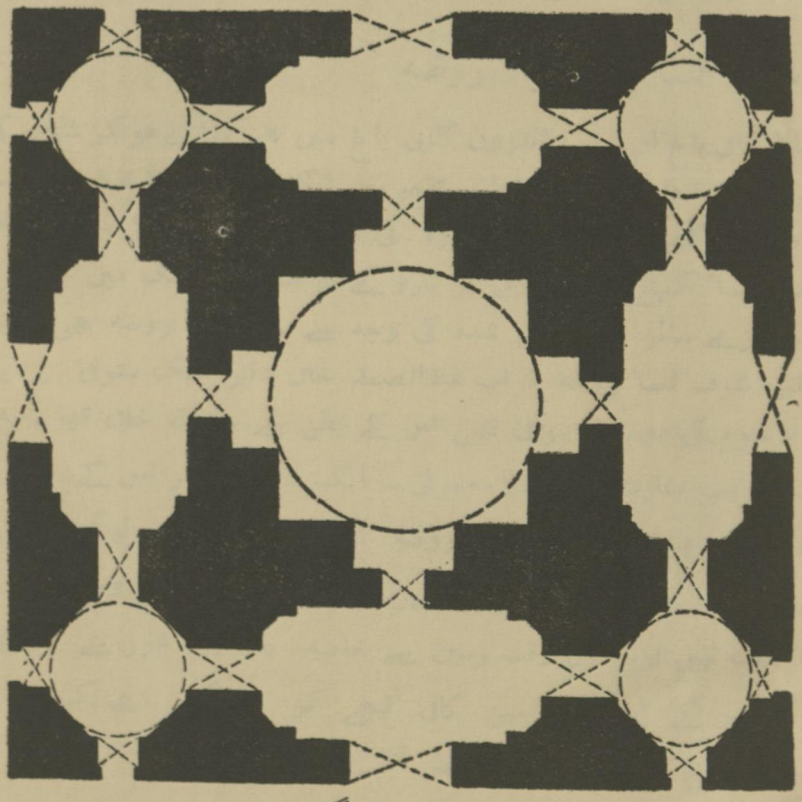

پلین مقبره اندرون گلابی باغ

By—
Chaghatai—Arshad—Sattar

PLAN OF TOMB
INSIDE GULABI BAGH LAHORE

بیٹھتے تھے اور پہلے اس سے جس موقعہ پر بیگم پورہ معمور تھا کوچہ تیلیاں تھا اب نہ وہ بیگم پورہ ہے نہ کوچہ تیلیاں ۔ ٹوٹے پھوٹے ہوئے چند مقبرے اور آثار و مکانات ہیں اور کچھ نہیں آج سے قریباً پچاس سال قبل جب میں نے ان تمام شکستہ عمارتوں کو دیکھا تھا تو ہیبت برستی تھی ان میں سے چند ایک عمارات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے جن میں ذاتی مشاہدات کو بھی دخل ہے ۔ اگرچہ آج پاکستان بن جانے کے بعد سے بیگم پورہ میں بھی کافی نئی عمارات تعمیر ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے پرانی آبادی بالکل مٹ چکی ہے ۔

(۱۰) مقبرہ شرف النساء یا سرو والا روضہ

متذکرہ بالا گلابی باغ اور مقبرہ اندرون گلابی باغ میں ہم کھڑے ہو کر شمال کی طرف اگر مشاہدہ کریں تو بالکل ایک ہی خط مستقیم میں ایک مکعب نما عمارت قریب ایک سو گز کے فاصلہ پر کھیتوں میں بیگم پورہ کی حدود میں نظر آئیگی جسے عام طور پر مقبرہ شرف النساء کہتے ہیں یا اس پر سرو کے درخت سبز رنگ میں چوکور کاشی کاری اینٹوں میں بڑے سائز میں نقش شدہ کی وجہ سے سرو والا روضہ بھی کہتے ہیں دراصل یہ مقبرہ شرف لنساء زوجہ نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ متوفی ۱۷۲۷ء کا ہے جو نواب مرحوم کی دوسری بیوی تھی اس کے بطن سے عبداللہ خاں تھا ۔ یہ مقبرہ بہت ہی عجیب وغریب عمارت ہے اس کا معمولی سا ایک در ہے مگر اس کے اندر پہنچنے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے اور اس لئے اس روضہ کو لاہور کے اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس عمارت میں کسی کو زندہ چن دیا گیا ہے اور اسی وجہ سے یہ ایسا ہے بہرحال یہ بات نہیں اور اس وقت زمین سے خاصہ بلند ہے غور سے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ اس کے ارد گرد زمین کافی نیچے کر دی گئی ہے کیونکہ اس کا اصل اوپر کا حصہ واضح ہے یعنے خلا سا نظر آتا ہے (شکل ۱۰) ۔

علامہ اقبال مرحوم نے اس شرف النساء پر ایک فارسی نظم 'قصر شرف النساء' کے عنوان سے جاوید نامہ میں بھی لکھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا کوئی ساتھی نہیں بلکہ ہر انسان کا نظریہ قرآن اور شمشیر ہونا چاہے یعنی قران اور جہاد زندگی پر عمل لازمی ہے

بادی النظر میں یہ روضہ ایک دخمہ یا رومن یا ساسانی مندر یا قبرقدیم بھی معلوم ہوتا ہے

(۱۱) مسجد نواب ذکریا خان

یہ مسجد دراصل موضع بیگم پورہ کے عین وسط میں تھی اور روضہ حضرت ایشاںؒ کے بالکل مشرق میں واقع ہے۔ اس مسجد کو نواب ذکریا خان بن نواب عبدالصمد خان دلیر جنگ نے تعمیر کیا تھا (شکل ۱۱) اس مسجد کی سب سے بڑی خوبی اس کی زمانہ انحطاط کی کاشی کاری ہے جو خوبصورت چوکور اینٹوں میں اس پر لگائی گئی ہیں (شکل ۱۲) اور اسکا درمیانی گنبد خاص طور پر تمام قابل ذکر ہے جو ایوان مسجد کو لمبے رخ گھیرے ہوئے ہے جسے عرف عام میں بنگالی چھت کہتے ہیں۔ اور اس کے کونوں پر اگرچہ معمولی سے مینار بھی ہیں مگر کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ان سے ایک طرح انحطاط معیار فن، زمانہ کے اعتبار سے واضح ہے اور اندرون ایوان کا نقشہ بھی عجیب و غریب ہے (پلین ملاحظہ ہو) البتہ مسجد آج بھی اپنی وسعت میں لاہور کی سنہری مسجد کا مقابلہ کرتی ہے اور اس کی مرغولی کمانیں ظاہر کرتی ہیں کہ عمارت بعد کے زمانہ کی ہے لیکن یہ عمارت دراصل ۱۷۳۰ء کے اندر اندر تعمیر ہوئی تھی جبکہ نواب ذکریا خان لاہور کا گورنر تھا۔ بعض قدیم شواہد سے یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ یہ عمارت مسجد کسی زیادہ قدیم عمارت مسجد پر تعمیر کی گئی ہے کیونکہ مسجد کی پیشانی پر جہاں بیچ میں کلمہ طیب لکھا ہے وہاں اسکے دائیں بائیں دو مرمری سلیں چسپاں ہیں جن پر حسب ذیل احادیث اعلیٰ خط نسخ میں لکھی ہیں :۔

"عجلو بالصلاۃ قبل الموت ۔" اور "عجلو بالتوبۃ قبل الفوت"

(موت سے قبل نماز کیلئے جلدی کرو) (فوت ہونے سے قبل توبہ میں جلدی کرو)

یہ عبارت ابھرے ہوئے حروف میں کندہ کی ہوئی ہے کیونکہ یہ طریقہ مغلوں سے قبل عمارات میں عام طور پر ہوتا تھا۔

نواب ذکریا خان کی ایک اور مسجد باغبانپورہ میں بھی ہے جو کافی چھوٹی ہے اور یہ مزار مادھو لال حسین کے مغرب کی طرف باہر کر کے ان کے روضہ کی خاطر تعمیر کرائی تھی اس پر چند تاریخی اشعار مندرجہ ذیل سے یہ واضح ہے۔

خواست در دور شاہ ملک پناہ ۔ شاہ ہندوستان محمد شاہ

زبدۂ بار گاہ او نواب ۔ ذکریا خان صوبہ پنجاب

چاہ و مسجد ز خود بنا بکند ۔ عالی و خوب و خوشنما بکند

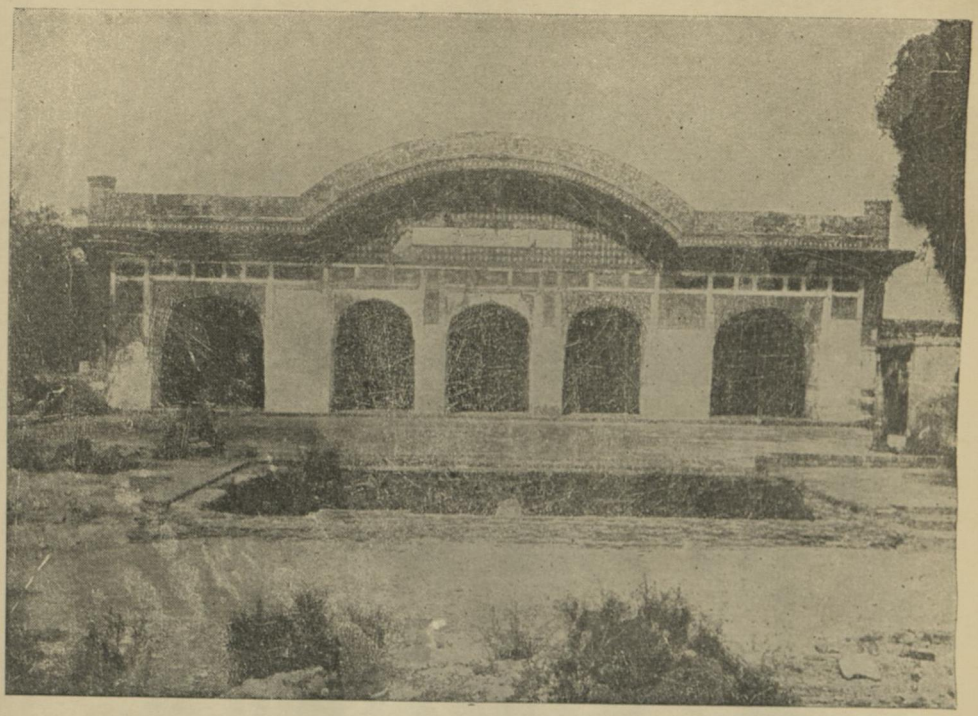

۱۱ - مسجد نواب ذکریا خاں

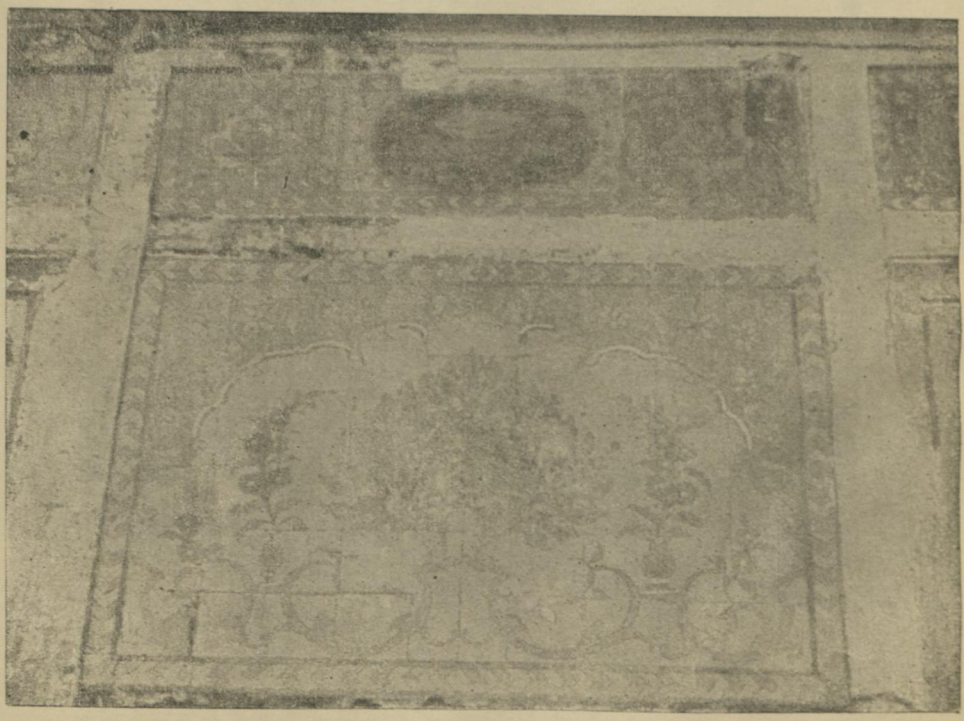

۱۲ - کاشی‌کاری مسجد ذکریا خاں

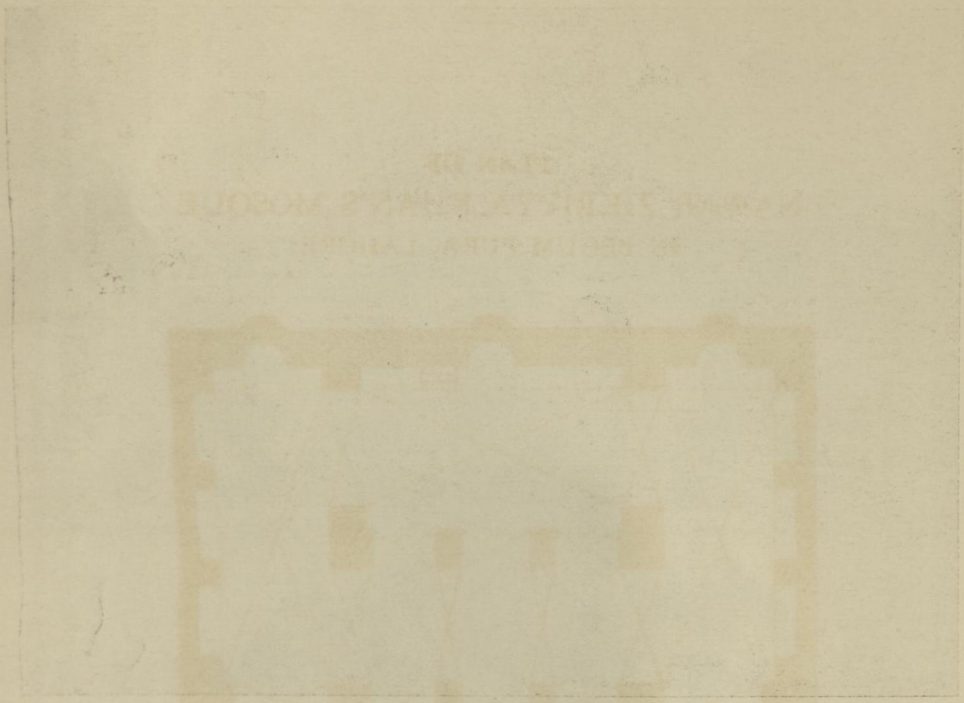

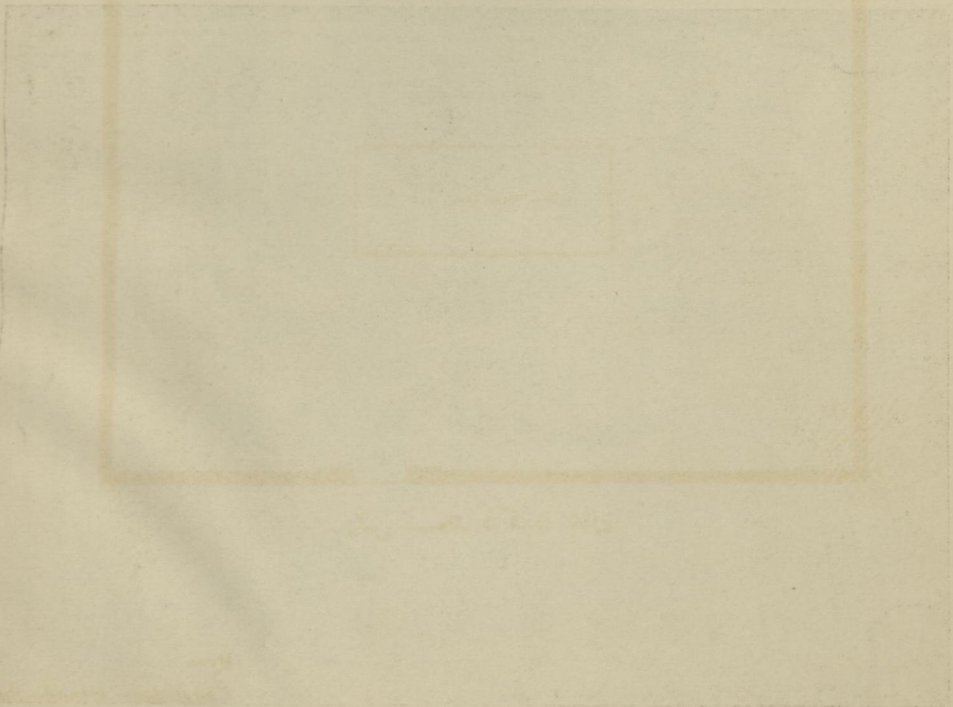

PLAN OF

NAWAB ZIKRIYYA KHAN'S MOSQUE

IN BEGUM PURA, LAHORE

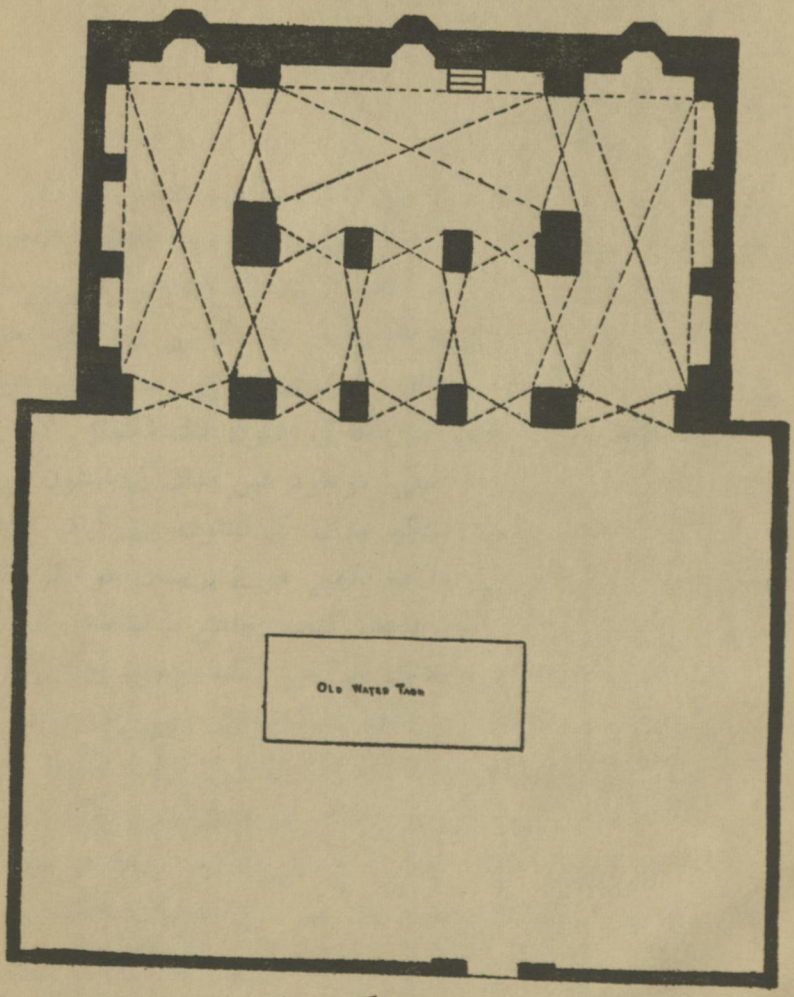

پلیں مسجد ذکریا خاں

By—
Chaghatai—Arshad—Sattar
—Bunyad

PLAN OF

NAWAB ZIKRIYYA KHAN'S MOSQUE

IN BEGUM PURA, LAHORE

By—
Chughtai—Arshad—Sattar
—Jamshed

نزد درگاہ صاحب عرفاں - واقف سر حضرت رحماں

آنکہ معرفت شد بہ لال حسین - خاک نعلین اوست سرمہ عین

تاریخ او ہر کہ جوید شمار - بداند ہزار صد و چہل و چار

مگر یہ مسجد کوئی خاص نمونہ فن تعمیر نہیں ہے جیسا کہ بیگم پورہ کی خاص شاہی مسجد ہے۔

(۱۲) قبور بیگم پورہ وغیرہ

مورخین لاہور نے جہاں بیگم پورہ کا تاریخی پس منظر بیان کیا ہے وہیں اس میں شاہی خاندان کی قبور کا ذکر بھی کیا ہے۔ جنکا یہاں تاریخی اہمیت کے اعتبار سے مختصر سا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے اگرچہ ان مکانات میں سے بے شمار چبوترے۔ ڈیوڑھیاں وغیرہ تھیں جو وقتاً فوقتاً بیشمار صدمات سے تباہ بھی ہو چکی ہیں مگر ان میں چند قبور ابھی باقی ہیں۔ خاص کر سکھوں کے عہد میں اور ابتدائی برٹش زمانہ میں لوگ یہاں سے ان قدیم عمارات کی اینٹوں تک اکھاڑ کر لے گئے۔ اور لاہور کے اکثر محلے جو آج بھی موجود ہیں یہاں کی اینٹوں سے تعمیر ہوئے مثال کے طور پر قلعہ گوجر سنگھ یہاں کی اینٹوں سے آباد ہوا۔ لالہ کنہیا لال بیگم پورہ کی تباہی کے حالات لکھتے ہوئے پریشاں ہو کر کہتا ہے کہ اس مکان کی تشریح لکھنے کے لئے ایک علحدہ کتاب چاہئے۔ احاطہ کے اندر بہت سے چبوترے قبور کے ہیں اور عالیشاں ڈیوڑھی ابتک موجود ہے یہاں قدم رسول بھی ہے جو سکھوں نے ضائع کر دیا اور ایک عالیشان مقبرہ بھی ہے دوسرے چبوترہ پر قبر نواب عبد الصمد خان دلیر جنگ اور ان کے لڑکے نواب ذکریا خاں بہادر کی ہے اور ان کے متعلقین کی قبور ہین ڈیوڑھی کلاں کے متعلق تمام دیگر عمارات محل وغیرہ تباہ ہو چکی ہیں یہاں ایک مقطع باغ بھی تھا جو برباد ہو چکا ہے مسجد نواب ذکریا خاں کے روبرو مشرق کی طرف تھا جس کے درمیان ایک خیاباں والا بلند چبوترہ بھی تھا جو سرتاپا سنگ مرمر کا تھا جسے سکھ اکھاڑ کر لے گئے اس پر دو قبریں زنانہ زوجہ والدہ اور نواب خاں بہادر کی تھیں موخرالذکر کے نام پر یہ موضع بیگم پورہ نام رکھا گیا تھا۔ جس کا نام بیگم جان تھا اس نے اپنی زندگی میں عمارتین بنائی تھیں اور اس کے نام پر یہ موضع آج بھی مشہور ہے۔ البتہ آج ان قبروں کے نشان بھی مٹ چکے ہیں۔

(۱۳) روضہ حضرت ایشاںؒ

ہماری یونیورسٹی کے بلکل شمال کی طرف دیوار احاطہ سے ملا ہوا علاقہ حضرت ایشاں کہلاتا ہے اور یہیں آپ ہی کا روضہ بھی قریب ہی ہے جس کا دور سے سفید بلند گنبد نظر آتا ہے (شکل ۱۳) ان بزرگ کا اصل نام خواجۂ خاوند محمود تھا اور حضرت ایشاں کے لقب سے مشہور ہوئے اور بہت بڑے صوفی نقشبندی سلسلہ کے تھے آپ لاہور میں آنے سے پیشتر وسط ایشیا میں تھے آپ اکبر کے زمانے میں کشمیر آ گئے تھے وہاں سے آپ بعہد جہانگیر لاہور تشریف لےآئے اور یہیں بعہد شاہجہاں آپ کا انتقال ۱۰۵۳ھ میں ہوا ۔ آپ کی اکثر کرامات بھی بیان کی جاتی ہیں ۔

آپ کے روضہ کی عمارت جو خالصتاً معماری کا بہت اعلیٰ نمونہ ہے آپ نے خود اپنی زندگی میں تیار کرالی تھی ۔ اس کی سطح دراصل مساوی الضلع مثمن نہیں ہے (پاین ملاحظہ ہو) بلکہ مثمن بغدادی ہے یعنی مربع کے کونوں کو کاٹ دیا گیا ہے اور پھر اس پر عمارت کھڑی کی گئی ہے اور گنبد بھی اس کا دھرا ہے مگر یہ شلغمی گنبد نہیں ہے جسطرح لاہور میں گنبد آصف جاہ کا شاہدرہ میں ہے عمارت بہت پرشکوہ ہے اور لاہور میں ان گنتی کی اعلےٰ عمارتوں میں سے ہے جس پر فن تعمیر بھی ناز کرتا ہے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ پتھر کہیں استعمال نہیں ہوا اندرون گنبد کے درمیان میں آپ کا مقبرہ ہے بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ مقبرہ آپ نے خود نہیں بنوایا تھا اور بعد میں آپ کے حلقہ نقشبندیہ کے احباب نے تعمیر کیا ۔ غرضیکہ یہ مقبرہ آج ایک اعلیٰ نمونہ فن تعمیر ہے ۔

یہ ۱۹۱۵ - ۱۹۲۰ء کے سالوں کا واقع ہے کہ اس عمارت (حضرت ایشاں) جسے خانقاہ نقشبندیہ کہنا بجا ہوگا اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل مولوی حاکم علی مرحوم بھی یہیں رہائش رکھتے تھے چونکہ جب وہ سکھ مذہب چھوڑ کر حلقہ اسلام میں شامل ہوئے تو اس سلسلہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے اس لئے وہ اپنے حلقہ کے پیر بھائیوں کے ہمراہ یہیں رہتے تھے یہ تمام عمارات جس میں خصوصیت سے مسجد بھی شامل ہے پرانی ہیں اور ایک مکمل ادارہ کا حکم رکھتی ہیں۔ یہاں جو عرس ہوتا تھا اور آج بھی ہوتا ہے نہایت عمدہ لذیذ کھانا شامل ہونے والوں کو میسر آتا تھا اکثر گذشتہ زمانہ میں راقم بھی شامل ہوتا رہا ہے ۔

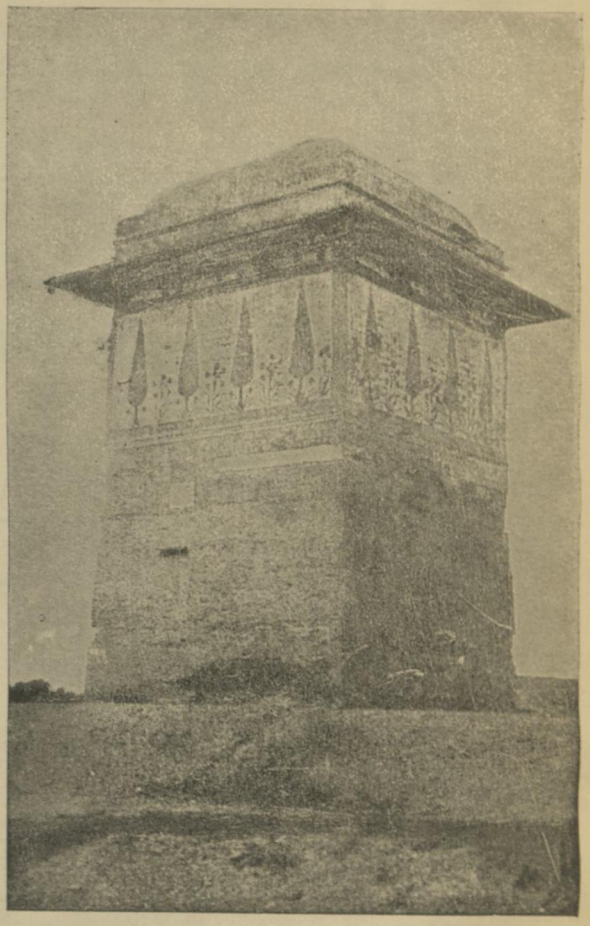

۱۰ - مقبره شرف النساء

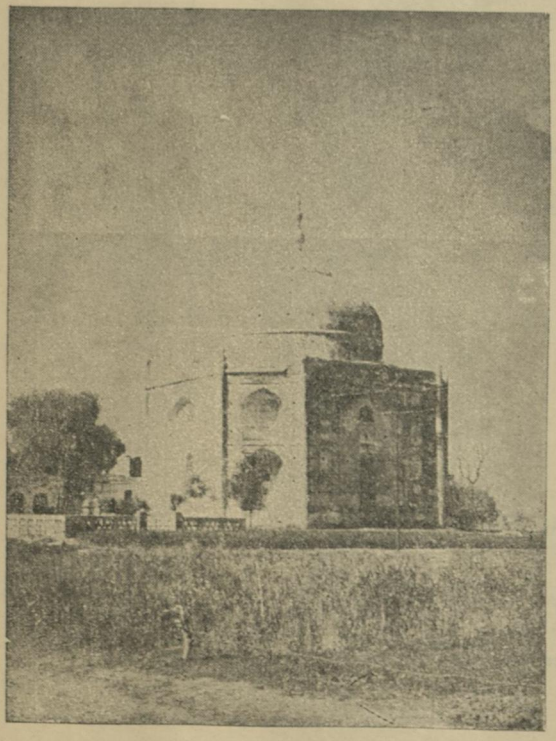

۱۳ - روضهٔ حضرت ایشان

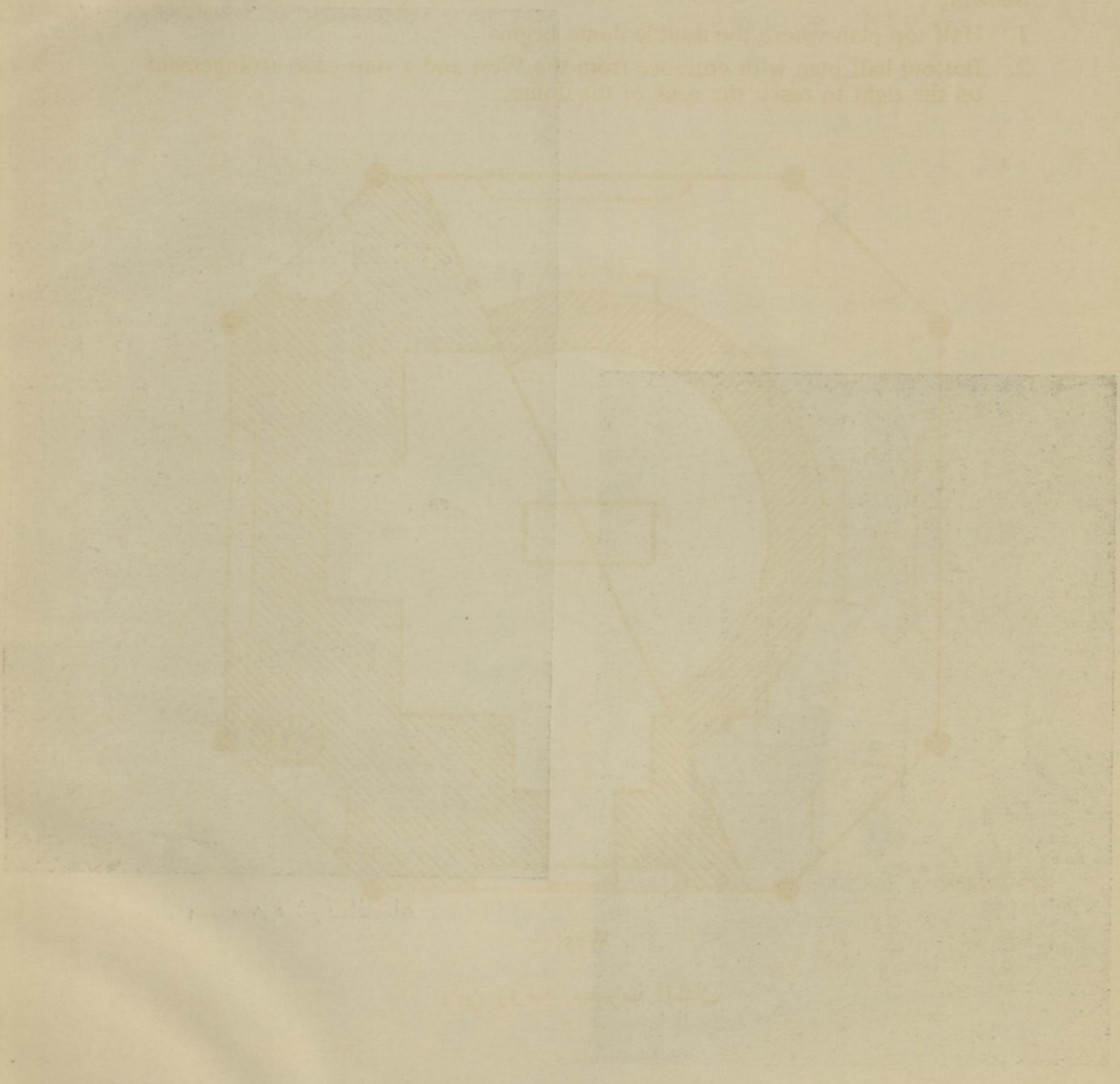

PLAN OF THE TOMB OF
HAZRAT EASHAN (1044) AT LAHORE

Showing :

1. Half top plan where the double dome begins.
2. Bottom half plan with entrance from the West and a stair case arrangement on the right to reach the neck of the dome.

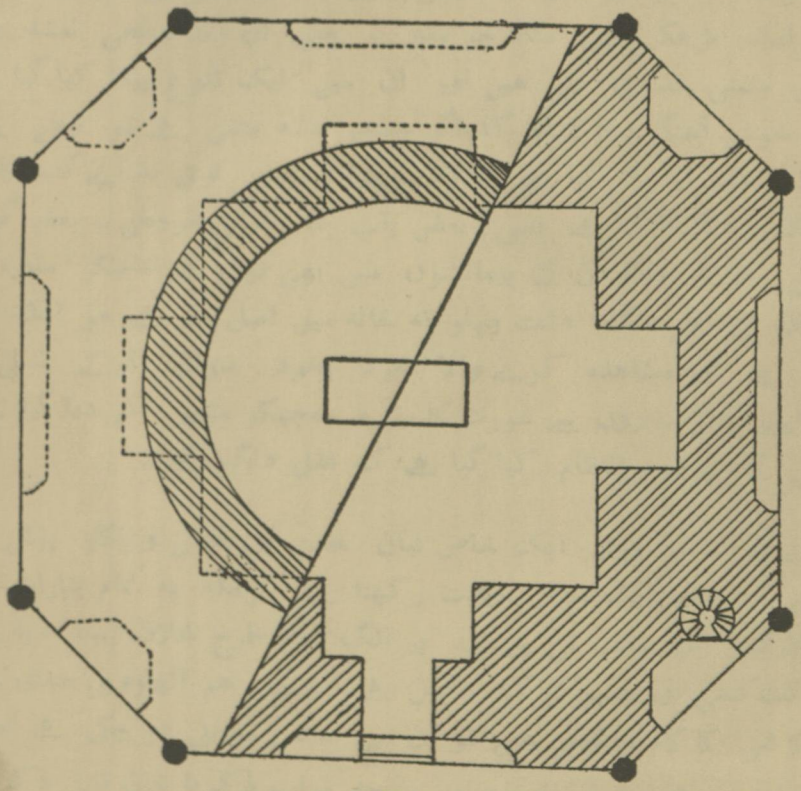

West

پائین روضہ حضرت ایشاں

By—
Chaghatai

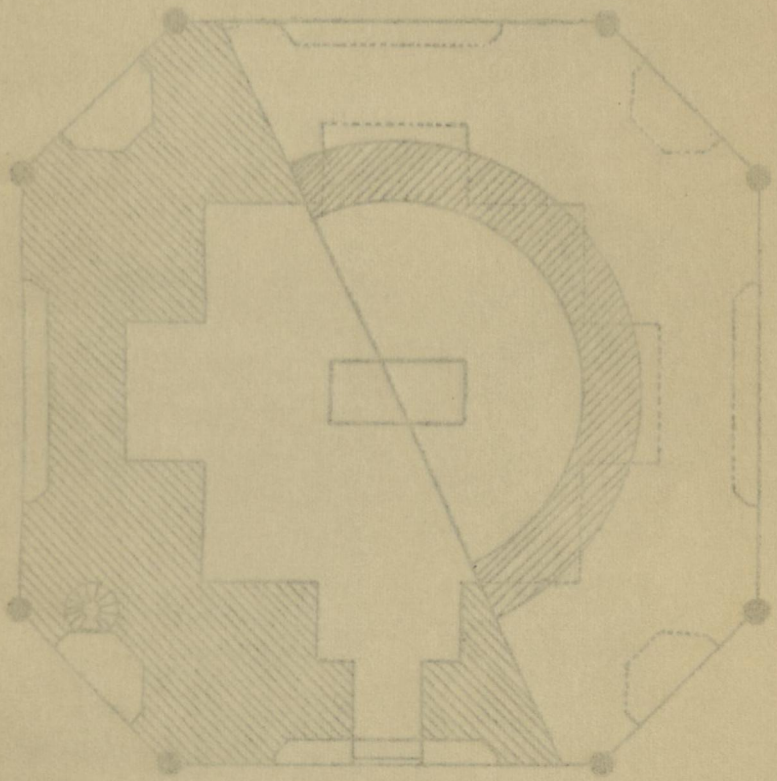

ان آثاروں کے فن تعمیر پر تبصرہ

ان آثاروں کی فرداً فرداً تاریخی اور کسی قدر فنی تفصیلات بیان کرنے کے بعد بحیثیت مجموعی فن تعمیر کی خوبیوں کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے ۔ اگرچہ ان پر ایک نظر کرنے سے ان کے بعض پہلو مشترک ضرور نظر آتے ہیں ۔ مثلاً ان کو کاشی کاری سے عام طور پر مزین کیا گیا ہے اور قریب قریب سب آثار گنبد دار ہیں ۔ بلند چبوتروں پر کھڑے ہیں مگر بغور ان کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر عمارت ایک دوسرے سے جدا ہے اور فنی خوبیوں کے اعتبار سے ایک سے ایک بڑھکر ہے ۔ مثلاً جو مقبرے ہیں ان کا سطحی نقشہ مربع ۔ مثمن اور پھر مثمنی بغدادی بھی ہیں اور ان میں ایک تنوع پیدا کیا گیا ہے اور یہ امر ضرور خوش آہنگی پیدا کریگا کہ اگر سطحی نقشہ مثمن ہے تو نیچے سے اوپر تک وہی مکمل ماحول چلا گیا ہے تاکہ موزونیت میں فرق نہ آئے گنبد کا بیرونی خاکہ ہر ایک کا الگ الگ ہے یعنی بعض بلب نما ۔ بعض مخروطی ۔ بعض گول اور گول مگر بیٹھے ہوئے بلکہ ان کی پیمائشوں میں بھی فرق ہے خاصکر مقبرہ والدہ علی مردان خان کے نیچے الگ ہشت پہلو تہ خانہ میں اصل قبر ہے جو ایک جداگانہ پہلو نظر آتا ہے اور مشاہدہ کرنے والا خود بخود سوال کرکے تسلی حاصل کرتا ہے کہ اسے دیگر مقبروں سے عورت کا مقبرہ سمجھکر متمیز کر دیا گیا ہے پھر اس میں روشنی کا اس طرح انتظام کیا گیا ہے کہ عقل دنگ ہے ۔

ان آثاروں پر کاشی کاری ایک خاص شان حسن اور نقش و نگار پیش کرتی ہے ۔ لاہور میں یہ پہلو ایک خاص حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ تمام عمارات خشتی ہیں اس لئے ان کو اس صنف فن سے ان پر الگ ایک طرح غلاف پہنا دیا ہے اور یہ شان و شوکت کسی اور شہر کو کم حاصل ہے ۔ جب ہم اٹھارویں صدی عیسوی کی عمارات کا کاشی کا کام دیکھتے ہیں تو ان میں خاصی تبدیلی ہو چکی ہے اس ضمن میں یہاں دو عمارتیں مقبرہ شرف النساء اور مسجد نواب ذکریا خان قابل ذکر ہیں ۔ جن میں یہ اینٹیں چوکور مربع ہو گئی ہیں اور کام میں خاصہ انحطاط نظر آتا ہے بلکہ نقش و نگار کے معیار میں بھی پستی ہے ۔ لاہور میں سب سے قدیم عمارت جس پر کاشی کاری کی گئی وہ مقبرہ موسی آہن گر کا ہے مگر مغلوں کے ہاں نہایت پر شکوہ ڈیوڑھیاں ہوتی تھیں اس ضمن میں بذات خود مقبرہ علی مردان خان کا دروازہ اور گلابی باغ کا دروازہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن سے تعمیری خصوصیات بھی واضح

ھیں جو آج تک کسی اور دنیا کے فن تعمیر میں نہیں آتیں ۔ اس سے ان شاھان سلف کی عظمت اور شکوہ سلطانی واضح ھے اور یہ صنف فن براہ راست ایران سے آیا ۔

ان ماضی کی عمارتوں کو آج دیکھ کر دکھ بھی ھوتا ھے کیونکہ یہ اپنے صحیح حالت میں نہیں ھیں اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی واضع ھے کہ ھر عمارت کے گرد باغات اور دیگر لوازمات عمارات بھی بصورت احاطہ اور دروازہ بھی تھے جو آج مفقود ھیں یہاں ھم نے مسجد نواب ذکریا خان بہادر کا مکمل ماتھا اور پلین بھی دیا ھے اور اس کے آگے ایک حوض بھی ھے جو عام مساجد میں ھوتا ھے مگر آج موجود نہیں اور آج سے قریب پچاس سال قبل تھا ۔

سب سے بڑھکر ان عمارات کی تباھی کا باعث لاھور میں ریلوے اسٹیشن اور دیگر ورکشاپ سٹور وغیرہ اور سکھوں کا عہد ھیں جن کی وجہ سے کئی عمارات صاف کر دی گئی ھیں اور ھم ان سے محروم ھو گئے ھیں ۔ اسی وجہ سے خان دوراں کے مقبرہ کے قریب بدھو کا آوا صاف کر دیا گیا تھا ۔ یہ دراصل زندہ قوموں میں ھمیشہ رھا ھے کہ ملک کا محکمہ آثار قدیمہ ان کو بر قرار رکھے اور گورنمنٹ سے یہ کام کراتا رھے ۔ مگر آزادی کے بعد لاھور میں کافی قدیم آثار بوجہ غفلت ضائع ھو گئے یعنی ھماری ماضی کی تاریخ و ثقافت ضائع ھو گئی ۔ ھم پر انکا تحفظ لازمی ھے ۔

غرضیکہ یہ مختصر سی کیفیت بطور پس منظر جائے وقوع انجینئرنگ یونیورسٹی مغربی پاکستان لاھور پیش احباب ھے ۔ جبکہ حسن اتفاق سے آج یونیورسٹی کی عمارت بذات خود ان میں اپنا ایک تاریخی مقام پیدا کر چکی ھے ۔

یہ مضمون دراصل آج سے قریب آٹھ نو سال پیشتر میرے چھوٹے لڑکے عبدالخالق اور ان کے ایک دوست خالد نے لکھنے کا ارادہ ظاھر کیا تھا ۔ جبکہ وہ یہاں طالب علم تھے ۔ مگر میں نے اس خدمت کو محض فن تعمیر اسلامی کا اھم باب تصور کرکے اور یونیورسٹی سے ذاتی تعلق کی وجہ سے انجام دیا ھے ۔

حوالہ جات : ذیل میں بیان ترتیب کے مطابق دئے ہیں :-

(۱) تاریخ لاہور کنہیا لال صفحہ ۲۵۹ و تاریخ لاہور سید لطیف صفحہ ۱۳۲ و تحقیقات چشتی صفحہ ۳۶۸ و تاریخ جدولیہ صفحہ ۹۳ -

(۲ و ۳) کنہیا لال صفحہ ۲۱۷ - لطیف صفحہ ۱۵۰ و چشتی و لاہور قدیم (اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۷۷)- چشتی صفحہ ۳۶۲

(۴) کنہیا لال صفحہ ۲۶۴ و لطیف صفحہ ۱۵۱ و ماثرالامرا ۷۵۸ - ۱/۷۴۹ و عمل صالح ۲۳۵ و ۲/۴۳۳ -

(۵) کنہیا لال صفحہ ۶۳- ۲۶۲ و لطیف صفحہ ۱۵۲ و چشتی صفحہ ۷۹—۳۷۷ و ماثرالامرا صفحہ ۲/۷۶۵ ایضاً صفحہ ۳۷ -

(۶) کنہیا لال صفحہ ۳۵۶ و لطیف صفحہ ۵۲ و چشتی صفحہ ۳۶۴-۳۶۳ و مفصل مضمون از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ' علی مردان خان ، معارف اعظم گڈھ ۱۹۳۹ء -

(۷) کنہیا لال صفحہ ۱۳۹ و لطیف صفحہ ۱۳۷ چشتی صفحہ ۳۴۴ و تذکرہ شمع انجمن صفحہ ۴۸۹ و ماثرالامرا صفحہ ۸۳-۳/۵۸ -

(۸) کنہیا لال صفحہ ۳۰۹ لطیف صفحہ ۱۳۵ و چشتی -

(۹) کنہیا لال صفحہ ۲۷۸ لطیف صفحہ ۱۳۷ و لاہور قدیم (اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۷۷) -

(۱۰) کنہیا لال صفحہ ۲۶۷ و لطیف صفحہ ۱۳۵ مفصل مضمون ڈاکٹر عبداللہ چغتائی رسالہ پنجاب یکم جون ۱۹۵۵ - چشتی صفحہ ۳۸۹

(۱۱) کنہیا لال صفحہ ۲۶۵ و لطیف صفحہ ۴۷-۱۴۶ - چشتی صفحہ ۳۸۷

(۱۲) کنہیا لال صفحہ ۲۷۸ و لطیف صفحہ ۱۳۷ - چشتی ۳۸۳

(۱۳) عمل صالح جلد صفحہ ۳۷۰ جلد ۳ و بادشاہ نامہ جلد ۲ کنہیا لال صفحہ ۲۴۲ و لطیف صفحہ ۱۳۹ و چشتی - صفحہ ۳۳۵

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No:
MAILSI

Reprint from PENCOMA 1963

مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز - ۱۱۸ جی - ٹی روڈ - لاہور